کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد حیدرآباد

Volume:14 Issue:5 July 2021

مدیر

مولانا محمد عبد القوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ



درسِ قرآن

اصلاحِ اعمال کا قرآنی نسخہ

مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾ (سورۃ الاحزاب: ۷۰،۷۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو، اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ بڑی کامیابی پائے گا۔

تشریح: قول سدید کی تفسیر بعض نے صدق کے ساتھ کی، بعض نے مستقیم اور بعض نے صواب وغیرہ سے کی ہے، ابن کثیرؒ نے سب کو نقل کر کے فرمایا کہ سب حق ہیں، مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم نے اس جگہ صادق یا مستقیم وغیرہ کے الفاظ چھوڑ کر سدید کا لفظ اختیار فرمایا، کیوں کہ لفظ سدید ان تمام اوصاف کا جامع ہے۔ اسی لئے کاشفیؒ نے روح البیان میں فرمایا کہ قولِ سدید وہ قول ہے جو سچا ہو جھوٹ کا اس میں شائبہ نہ ہو، صواب ہو جس میں خطا کا شائبہ نہ ہو، ٹھیک بات ہو، ہزل یعنی مذاق و دل لگی نہ ہو، نرم کلام ہو دلخراش نہ ہو۔

زبان کی اصلاح باقی سب اعضاء و اعمال کی اصلاح میں مؤثر ذریعہ ہے

اس آیت میں اصل حکم سب مسلمانوں کو یہ دیا گیا ہے کہ اِتَّقُوا اللّٰہَ یعنی تقویٰ اختیار کرو جس کی حقیقت تمام احکامِ الٰہیہ کی مکمل اطاعت ہے، کہ تمام اوامر کی تعمیل کرے اور تمام منہیات و مکروہات سے اجتناب کرے اور ظاہر ہے کہ یہ کام انسان کے لئے آسان نہیں، اس لئے اِتَّقُوا اللّٰہَ کے بعد ایک خاص عمل کی ہدایت ہے یعنی اپنے کلام کی درستگی اور اصلاح، یہ بھی اگرچہ تقویٰ کا ہی ایک جزء ہے مگر ایسا جزء ہے کہ اس پر قابو پالیا جائے تو باقی

اجزاءِ تقویٰ خود بخود حاصل ہوتے چلے جائیں گے جیسا کہ خود آیت مذکورہ میں قول سدید اختیار کرنے کے نتیجہ میں يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ کا وعدہ ہے یعنی اگر تم اپنی زبان کو غلطی سے روک لیا، اور کلام درست اور بات سیدھی کہنے کے خوگر ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ اس کے باقی اعمال کی بھی اصلاح فرمادیں گے اور جو لغزشیں اس سے ہوئی ہیں ان کو معاف فرمادیں گے۔

زبان وکلام کی درستی دین و دنیا دونوں کے کام درست کرنے والی ہے

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ نے جو ترجمہ اس آیت کا کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جو سیدھی بات کا عادی ہونے پر اصلاحِ اعمال کا وعدہ ہے وہ صرف دینی اعمال ہی نہیں بلکہ دنیا کے سب کام بھی اس میں داخل ہیں، جو شخص قول سدید کا عادی ہو جائے یعنی کبھی جھوٹ نہ بولے، سوچ سمجھ کر کلام کرے جو خطاء ولغزش سے پاک ہو، کسی کو فریب نہ دے، دل خراش بات نہ کرے، اس کے اعمالِ آخرت بھی درست ہو جائیں گے، اور دنیا کے کام بھی بن جائیں گے، حضرت شاہ صاحبؒ کا ترجمہ یہ ہے کہ (کہو بات سیدھی کہ سنوار دے تم کو تمہارے کام)۔

قرآنی احکام میں تسہیل کا خاص اہتمام

قرآن کریم کے عام اسلوب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کوئی حکم ایسا دیا گیا جس کی تعمیل میں کچھ مشقت و دشواری ہو تو ساتھ ہی اس کے آسان کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا گیا ہے، اور چوں کہ سارے دین کا خلاصہ تقویٰ ہے اور اس میں پورا اُترنا بڑی مشقت ہے، اس لئے عموماً جہاں اتقوا اللہ کا حکم دیا گیا ہے تو اس کے بعد ہی ایک عمل ایسا بتلا دیا ہے جس کے اختیار کرنے سے تقویٰ کے باقی ارکان پر عمل منجانب اللہ آسان کر دیا جاتا ہے، اسی کی ایک نظیر اس آیت میں اِتَّقُوا اللّٰهَ کے بعد قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا کی تلقین ہے، اور اس سے پہلی آیت میں اِتَّقُوا اللّٰهَ کے بعد وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ آذَوْا مُوْسٰى فرما کر اس بات کی طرف ہدایت فرمادی کہ تقویٰ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اللہ کے نیک بندوں اور مقبول بندوں کو ایذا دینا ہے اسے چھوڑ دو تو تقویٰ آسان ہو جائے گا۔ ایک آیت میں ارشاد فرمایا: اِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ اس میں تقویٰ کو آسان کرنے کے لئے ل ایسے لوگوں کی صحبت ومجالست کی تلقین فرمائی جو بات کے سچے ہوں اور عمل کے بھی سچے ہوں، جس کا حاصل ولی اللہ ہونا ہے۔ دوسری آیت میں اِتَّقُوا اللّٰهَ کے ساتھ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ بڑھا دیا، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہر انسان کو اس کی فکر چاہیئے کہ اس نے کل یعنی روزِ محشر کے لئے کیا سامان بھیجا ہے۔ جس کا خلاصہ فکر آخرت ہے، اور یہ فکر تقویٰ کے تمام ارکان کو آسان کر دینے والی چیز ہے۔

درسِ حدیث



اتباعِ سنت وشریعت

مولانا اشرف علی تعلیمی*

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعالما جئت بہ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشادفرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہوجائے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہوسکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہوسکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اوراس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایتِ نبوی کے تابع اور ماتحت ہوجائیں۔

ھویٰ (یعنی خواہشاتِ نفس) اور ھدیٰ (یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایت) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر وشر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے، اورجن سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے، ہر گمراہی اور بدعملی اتباع ھویٰ کا نتیجہ ہے جس طرح کہ ہر خیراور ہر نیکی اتباع ھدیٰ سے پیدا ہوتی ہے، لہذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہوسکتا ہے کہ ھویٰ کو (یعنی اپنی نفس کی چاہتوں کو) ھدیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت وتعلیم کے تابع کردیا جائے اورجس نے ھدیٰ کو چھوڑ کر ھوی کی غلامی اختیار کی، اور بجائے ربانی ہدایت کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہوگیا، تو گویا خود ہی اس نے مقصدِ ایمان کو پامال کردیا۔

قرآن پاک میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے خواہشات نفس کو اپنا خدا بنالیا ہے: اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ هَوٰىهُ ط کیا تم نے ان بدبختوں کو دیکھا جنھوں نے اپنے نفس کی خواہشوں کو اپنا معبود بنالیا۔ دوسری جگہ فرمایا: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ (القصص) جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنے جی کی چاہت پر چلے اس سے زیادہ گم راہ اور غلط کون

* ناظم مدرسہ اشرفیہ حفظ القرآن، بنڈلہ گوڑہ، حیدرآباد

ہوسکتا ہے؟۔

حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے کوئی (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان کے اصل مقام تک پہنچنے کے لئے اوراس کی خاص برکتیں حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی خودغرضی سے پاک ہو، اوراس کے دل میں اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے اتنی خیر خواہی ہو کہ جونعمت اور جو بھلائی اور جو بہتری وہ اپنے لئے چاہے، وہی دوسرے بھائیوں کے لئے بھی چاہے اور جو بات اور جو حال وہ اپنے لئے پسند نہ کرے، اس کو کسی دوسرے کے لئے بھی پسند نہ کرے، اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

اسی حدیث کی ابن حبان کی روایت ہے میں لا یومن احدکم کی جگہ لا یبلغ حقیقة الایمان روایت کیا گیا ہے، اس سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ اس حدیث میں اوراس جیسی دوسری حدیثوں میں بھی لا یومن کے لفظ سے ایمان کی قطعی نفی مراد نہیں ہے بلکہ کمال کی نفی مقصود ہے، اوراس طرح ناقص کو کالمعدوم قرار دے کراس کی نفی کردینا قریباً ہر زبان کا عام محاورہ ہے

مثلاً ہماری اردو زبان میں بھی کسی بُرے اور غلط کار آدمی کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ ''اس میں تو انسانیت ہی نہیں ہے'' یا یہ کہہ دیتے ہیں کہ ''وہ سرے سے آدمی ہی نہیں ہے'' حالاں کہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اچھا اور معقول آدمی نہیں ہے۔

پس اسی طرح بہت سی حدیثوں میں بھی ایمان کے نقص کو لا ایمان یا لا یومن کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ـــــ اور تربیت ونصیحت (جو ان حدیثوں کا مقصد ہے اس) کے لئےل یہی طرز بیان مناسب تر اور بہتر بھی ہے ـــــ ایسے موقع پر منطقیوں والی موشگافیاں کرنا مزاجِ نبوت سے ناآشنائی کی دلیل اور بڑی ہی بدذوقی کی بات ہے۔

الحاصل! کوئی مومن اگر کمال ایمان اور حقیقت ایمان کا پانا چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے احکام دین پر عمل کرنے میں اپنی عقل پر اعتماد کرنے کے بجائے اتباع ہدایاتِ نبوی کو اپنائے، تب ہی اس کا عمل عند اللہ وعندالرسول مقبول وقابل اعتبار ہوگا اور اُسے دنیا وآخرت میں سروخ روئی حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اتباع سنت وشریعت کی توفیق عطا فرمائے، خواہشات نفس کی پیروی اوراس کی تباہ کاریوں سے محفوظ فرمائے۔آمین۔

ابتدائیہ

قربانی اخلاص اور خوش دلی سے کیجئے

از: مرتب

عیدالاضحیٰ بھی عیدالفطر کی طرح اللہ کا عظیم انعام وتحفہ ہے، جو بندوں کی مغفرت، قربِ خداوندی اور رفع درجات کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے، ایامِ اضحیہ میں اس نعمتِ عظمیٰ کو بہ رضا ورغبت قبول کرنا اور جذبۂ تشکر کے ساتھ سنتِ ابراھیمی کو ادا کرنا حق تعالیٰ شانہ کو بے حد پسند ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا کبھی قربانی کو ناغہ نہیں فرمائی۔ (ترمذی) بلکہ امت کو اس کے فضائل ومنافع بتا کر اس فریضۂ کو پابندی سے انجام دیتے رہنے کی تاکید فرمائی، چناں چہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قربانی دے گا، اُسے جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی، جانور کا قطرۂ خون زمین پر گرنے سے پہلے قربانی قبول ہوجائے گی، قربانی کا جانور پل صراط پر صاحبِ قربانی کے لئے سواری بنے گا۔ اس کے علاوہ ہمیں اتباعِ سنت کا ثواب بھی ملے گا۔

اس لئے نہایت خوش دلی سے جانور خریدنا، اُسے محبت سے کھلانا پلانا، اور پھر عید کے دن اللہ کے نام پر اُسے قربان کرنا، نہ دل تنگ ہو، نہ طبیعت پر گرانی ہو، نہ پیسوں کے خرچ ہونے کا غم ہو نہ ریا ونمود کا فاسد جذبہ ہو یہی ان دنوں میں اللہ کے ہاں قابل قدر عمل ہے۔ یہ دھیان میں رہنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے پاس قربانی کا نہ گوشت پہونچتا ہے نہ پوست، اس کے پاس تو ایمان والے بندوں کا خلوص دل پہنچتا ہے، اسی کی قدرافزائی ہوتی ہے، اس لئے قربانی کی اس عبادت میں دل صدق نیت سے سرشار ہوں إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا اظہار ہو، اور زبانیں اللہ کی بڑائی وکبریائی بیان کرتے ہوئے سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر یا اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد سے تر بہ تر ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہر صاحبِ استطاعت کو یہ مبارک عمل اخلاص کے ساتھ بہ طیبِ خاطر پورا کرنے کی توفیق بخشے اور شرفِ قبول عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

گوشۂ سیرت

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت فرمائی

از: مولانا خواجہ نصیر الدین قاسمی*

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبور کی زیارت کے لئے نکلے، ہم بھی آپ کے ساتھ ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایک مقام پر رُکنے کا حکم فرمایا ہم وہیں بیٹھ گئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کو دیکھتے ہوئے ایک قبر کے پاس پہونچ گئے وہاں بہت دیر تک مناجات فرمائی، اور زار و قطار رونے لگے حتی کہ آپ کی آواز بلند ہوگئی، آپ کے اس رونے کی وجہ سے ہم بھی رو پڑے، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، تو حضرت عمرؓ سامنے آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کس بات نے آپ کو اس قدر رولایا کہ ہم بھی رو پڑے اور ڈر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: کیا واقعی میرے رونے کی وجہ سے تم ڈر گئے؟ ہم نے کہا، جی ہاں، یا رسول اللہ!

تو آپ نے فرمایا جس قبر کے پاس میں مناجات کر رہا تھا وہ قبر میری والدہ آمنہ بنت وہب کی تھی میں نے پروردگار سے قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو اجازت مل گئی اور جب میں نے اپنے رب سے والدہ کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تو اجازت نہ ملی، پھر مجھ پر یہ آیات نازل ہوئیں، مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ ۔ (سورۃ التوبہ: ۱۱۳/ ۱۱۴) (یہ بات نہ نبی کو زیب دیتی ہے اور نہ دوسرے مومنین کو کہ وہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو جب کہ اُن پر یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں، اور ابراھیم نے اپنے باپ کے لئے جو استغفار کی دعا مانگی تھی اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا، پھر جب اُن پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے دستبردار ہو گئے۔) تو پھر مجھ پر وہ رقت طاری ہوئی جو ایک بچے پر ماں کے لئے طاری ہوتی ہے۔ اسی بات نے مجھے رُلا دیا۔ (ماخوذ از دلائل النبوۃ: ۱/ ۱۵۴، ۱۵۵)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب

فاطمہ نام ہے، نسب فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب بن ثعلبہ بن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر، والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ تھا جو بنی کنانہ سے تھیں، ان کا نکاح ابوعمرو بن حفص بن مغیر سے ہوا۔

قبول اسلام اور ہجرت

ابتداء اسلام میں ہی شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور ہجرت کے ابتدائی دور میں دیگر خواتین کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کیں۔

حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا کو طلاق

سنہ ۱۰ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں ایک لشکر لے کر عازم یمن ہوئے، اس لشکر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوعمرو بن حفص بھی شامل تھے، روانگی سے پہلے انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی، حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم عدت کا زمانہ ام شریک کے یہاں گذار دو'' ام شریک رضی اللہ عنہا کے گھر پر دیگر اعزہ واقارب کے علاوہ اور بھی مہمان بکثرت آتے جاتے تھے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم میں ترمیم فرما کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا کہ تم عدت کا زمانہ اپنے ابن عم ''ابن ام مکتوم'' کے یہاں گذار لو، انہوں نے تعمیلِ ارشاد میں ایسا ہی کیا، جب عدت کا زمانہ گذر گیا تو حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح دیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی انہیں شرف ازدواج بخشیں گے، لیکن

---

* رفیق دارالتصنیف والارشاد، واستاذ حدیث دارالعلوم دیودرگ

مصلحتِ خداوندی شامل حال نہ تھی، چنانچہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے نکاح ثانی کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معاویہ مفلس ہے، ابوجہم سخت مزاج ہے، تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔ "ولکن انکحی اسامۃ بن زید" (الطبقات الکبری لابن سعد: فاطمۃ بنت قیس: ۸/ ۱۲۳)۔

حضرت فاطمہؓ کو کچھ پس وپیش ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تمہیں کیوں عذر ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے"۔

اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل میں حضرت زید سے نکاح کے لئے آمادہ ہوئیں، چونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابیٔ رسول تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ انہیں "حبّ النبیؐ" (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب) کے لقب سے پکارا جاتا، صحیح مسلم کی روایت میں خود انہیں سے منقول ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کے بعد میں وہ لوگوں میں نہایت قابل رشک بن گئیں۔

زیرک ذی رائے خاتون

۲۴ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا تو مجلس شوریٰ کا اجتماع حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے مکان ہی میں ہوا؛ چونکہ وہ نہایت ذہین فطین، زیرک، معاملہ فہم اور صائب الرائے واقع ہوئی تھیں، اس لئے مجلس شوریٰ کے اراکین ان سے مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔ "وفی بیتھا اجتمع أصحاب رسول اللہ ﷺ لما قتل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ"

(اسد الغابۃ، فاطمۃ بنت قیس: ۷/ ۲۲۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

شوہر کی وفات

۵۴ھ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ ہوا، ان اس کے بعد انہوں نے تا زندگی دوسرا نکاح نہیں کیا اور اپنے بھائی ضحاک بن قیس کے پاس رہنے لگیں، یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب انہیں عراق کا گورنر مقرر کیا تو ان کے پاس کوفہ چلی گئیں اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کا واقعہ

صحیح بخاری میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے متعلق ایک خاص واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ مروان بن الحکم کے

عہد حکومت میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو ان کے شوہر عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے طلاق دی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رشتہ میں ان کی خالہ ہوتی تھیں، اس لئے انہوں نے بمقتضائے ہمدردی وشفقت ان کو یہ کہلا بھیجا کہ تم میرے گھر آجاؤ، مروان کو معلوم ہوا تو اس نے ''قبیصہ'' کو ان کے پاس بلا بھیجا، اور دریافت کیا کہ آپ ایک مطلقہ خاتون کو اس کا زمانہ عدت پورا ہونے سے پہلے گھر سے کیوں نکالتی ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود مجھے ایام عدت میں اپنے ابن عم ام مکتوم کے پاس گزارنے کی اجازت دی تھی، اس لئے میں نے بھی اپنی بھانجی کو عدت پوری ہونے سے پہلے اپنے پاس بلالیا۔ مروان نے ان کی اس بات کو اہمیت نہ دی اور مطلقہ خاتون کو اپنے گھر میں ہی عدت گزارنے کا حکم دیا۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے ''سیرت عائشہ'' میں اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اسلام میں حکم ہے کہ مطلقہ عورتیں عدت کے دن اپنے شوہر کے ہی پاس میں گزاریں اور اس حکم کے خلاف صرف ایک فاطمہ بنت قیسؓ کی شہادت ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی اور وہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں جا کر رہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے اس واقعہ کو بیان کر کے اجازت انتقالِ مکان پر استدلال کرتی تھیں۔

اس واقعہ سے عام استدلال درست نہیں اس لئے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر شہر کے کنارہ پر تھا اور رات کو جانوروں کا خوف رہتا تھا اس بناء پر نبی کریم ﷺ نے ان کو اجازت دی تھی۔

(صحیح البخاری، باب قصۃ فاطمۃ بنت قیس، حدیث: ۵۳۲۱)

لیاقت وصلاحیت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صورت وسیرت ہر لحاظ سے ہمہ صفت تھیں، نہایت دانا، ذی علم اور باکمال، مہمانوں کی تواضع کرنے میں ان کو دلی راحت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتیں، ان کے یہاں ایک دفعہ ان کے شاگرد شعبی حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے چھوہاروں اور ستو سے ان کی تواضع کی۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے چونتیس احادیث مروی ہیں ان کے راویانِ حدیث میں حضرت قاسم بن محمد، ابوسلمہ، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، سلمان بن یسار اور شعبی رحمہم اللہ جیسے اکابر تابعین شامل ہیں۔

حدیثِ جساسیہ:

صحیح مسلم اور ابوداؤد کی ایک حدیث جو علماء میں ''حدیث جساسیہ'' سے معروف ہے، حضرت فاطمہ بنت

قیس ہی سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ:

ایک مرتبہ میں مسجد نبوی میں گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوکر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حسب عادت مسکرا کر فرمایا کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں، پھر آپ نے فرمایا: جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی قسم کی ترغیب یا ترہیب کے لئے تمہیں جمع نہیں کیا؛ بلکہ ایک واقعہ سنانے کے لئے جمع کیا ہے جو تمیم داری نے بیان کیا ہے، وہ پہلے عیسائی تھے، انہیں قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا، وہ کہتے ہیں کہ میں جہاز میں سوار ہوکر سمند کا سفر کیا، میرے ساتھ قبیلہ جذام اور لخم کے تیس آدمی بھی تھے، دوران سفر سمندر میں طوفان آ گیا، جہاز ایک ماہ تک سمندری لہروں سے اِدھر اُدھر ہچکولے لیتا رہا، آخر کار ایک جزیرے کے ساحل پر جا کر لگ گیا، ہم جزیرے میں اترے تو عجیب صورت کی ایک عورت ملی جس کے لمبے لمبے بال تھے ہم نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے تو اس نے کہا کہ: میں ''جساسہ'' ہوں یعنی مخبر ہوں جو دجال کو خبریں پہنچاتی ہوں، تم لوگ سامنے والے دیر میں جاؤ، وہاں دجال کو دیکھو گے، ہم اس دیر میں پہنچے تو وہاں ایک غیر معمولی قد وقامت کا آدمی دیکھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، ہم نے اس کوہ پیکر آدمی سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا: پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے پہنچے؟

انہوں نے کہا ہم عرب کے رہنے والے ہیں، ہمارا جہاز سمندری طوفان میں پھنس گیا اور لہروں نے اسے اس جزیرہ کے قریب لا پھینکا، ایک عجیب الخلقت جساسہ نے ہمیں تمہاری طرف بھیجا۔

اس نے کہا: اچھا یہ تو بتاؤ کہ نخلسان بیسان میں پھل آتا ہے یا نہیں؟

ہم نے کہا: بیسان کے نخلستان میں برابر پھل آرہا ہے۔

اس نے کہا: یاد رکھو کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے جب بیسان میں کھجور کے درخت پر پھل نہیں رہیں گے، اچھا یہ بتلاؤ کہ ''بحیرہ طبریہ'' میں ابھی پانی موجود ہے، یا خشک ہو چکا؟

ہم نے کہا: اس میں تو پانی بہت وافر ہے۔

اس نے کہا: وہ وقت آنے والا ہے اس کا پانی خشک ہو جائے گا۔

اس نے کہا: یہ بتاؤ کہ کیا چشمہ ''زغر'' میں پانی آرہا ہے اور لوگ اس سے اپنے کھیت سینچ رہے ہیں؟۔

ہم نے کہا: ہاں چشمہ ''زغر'' میں پانی آرہا ہے، اور لوگ اس سے اپنے کھیت سیراب کررہے ہیں۔

اس نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کہ امیوں کے نبی نے ظاہر ہوکر کیا کیا ہے؟

ہم نے کہا: وہ اپنی قوم پر غالب آئے اور لوگوں نے ان کی اطاعت قبول کر لی ہے؟

اس نے کہا: ہاں ان کے لئے اطاعت ہی بہتر تھی، اب میرے بارے میں بھی سن لو میں مسیح دجال ہوں، مجھے عنقریب یہاں سے نکلنے کی اجازت ملے گی، میں روئے زمین میں گھوم جاؤں گا، اور دنیا کی کوئی جگہ اور مقام ایسا نہ ہوگا کہ جہاں میں چالیس دن کی مدت میں نہ پہنچ جاؤں، البتہ مکہ اور مدینہ دو شہروں میں مجھے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، جب میں ان شہروں میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو ایک شمشیر بدست فرشتہ مجھے اس سے روک دے گا۔

اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا عصائے مبارک تین بار منبر پر مارا اور فرمایا یہی "طیبہ" ہے یہی "طیبہ" ہے (یعنی مدینہ منورہ) ہے۔ (صحیح مسلم: باب قصة الجساسة، حدیث: ۲۲۶۲)۔

وفات:

اہل سیر و تاریخ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سالِ وفات کی صراحت نہیں کی ہے، بعض روایات سے پتہ چلتا ہے وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافتِ مکہ کے زمانے تک زندہ تھی، رضی اللہ عنہا۔

(بقیہ صفحہ ۴۵ سے)

جمعیت علماء کی اکثر قراردادیں آپ ہی کی قلم سے مرتب ہو کر منظور ہوئی ہیں

مولانا مرحوم اپنی صحت کا خاص خیال رکھتے تھے، فجر بعد چہل قدمی کرنا، روزانہ کا معمول تھا، آپ کی عام صحت و پھرتی دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کے حسنات و برکات کا سلسلہ ابھی جاری رہے گا، لیکن مشیت ایزدی نے اندازوں اور تخمینوں کو ہمیشہ شکست دی ہے، چناں چہ مختصر علالت کے بعد اچانک 30 / رمضان 1442ھ مطابق 12 / مئی 2021 جمعرات کو تقریباً سوا بارہ بجے دن میں اس سرائے فانی سے رحلت کر گئے۔

نماز جنازہ مولانا مرحوم کے پوتے مولانا عفان قاسمی نے پڑھائی، ایک محتاط اندازے کے مطابق چار پانچ ہزار افراد جنازہ میں شریک ہوئے تھے، آبائی قبرستان جگدیش پور میں مولانا افتخار جگدیش پوری کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

خصوصی مضامین

عید قرباں کا سبق

مولانا مفتی محمد عبد الحمید قاسمی

اسلام میں صرف دو ہی تہوار اور عیدیں ہیں ایک ''عید الفطر'' جو رمضان کے اختتام پر منائی جاتی ہے جب لوگ ایک مہینے کے روزے رکھ کر فارغ ہوتے ہیں۔ دوسری ''عید الاضحیٰ'' جو حج کے اگلے دن منائی جاتی ہے جب سارے حاجی منیٰ میں قربانی کرتے ہیں، اور اس سے ایک دن پہلے عرفات کے میدان میں جمع ہوکر اپنے حج کو مکمل کرتے ہیں یعنی دسویں ذوالحجہ کو منائی جاتی ہے۔عید قرباں اسلام کا دوسرا عظیم تہوار ہے جو اپنی اہمیت، فضیلت، جان و مال کی قربانی اور انسانی قلوب کی پاکیزگی کے حوالے سے منفرد شناخت اور خصوصیات کا حامل ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عمل ایک طرف قرب خداوندی اور رضائے الٰہی کا باعث ہے تو دوسری طرف ہر قدم پر قربانی طاعت، عاجزی، تسلیم ورضا، صدق وصفا اور صبر وشکر سے لبریز ہونے کے پیغام سے سرشار ہے۔ دونوں عیدوں کا خدا کی نعمتوں سے گہرا تعلق ہے۔ رمضان سے تقویٰ، صبر، ہمدردی، ضبط نفس پیدا ہوتا ہے اور عید قرباں اپنے آپ کو مٹانے، دین پر مکمل عمل کرنے، اور اس کے لئے قربانیاں دینے کے لیے تیار کرتی ہے۔

اخلاص وسچائی اور ایثار وقربانی کا یہ ایسا بے نظیر واقعہ ہے جس کی مثال آج تک کوئی قوم پیش نہیں کرسکی، اسی لیے اللہ نے اس بلند ترین عمل کو قیامت تک کے لیے ایک فریضہ کی حیثیت دے دی، تاکہ عید قرباں کی تاریخی حیثیت پر نگاہ رکھتے ہوئے بندۂ مومن اپنے اندر بھی وہی جذبہ پیدا کرے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے وہ سب کچھ قربان کردے جو میسر ہو۔لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے اسے بھی رسم بنا ڈالا، نہ اس کی حقیقت کو پہچانا اور نہ اس کے تقاضے کو سمجھا۔ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ جانور کا گوشت چاہیئے اور نہ اس کا خون؛ بلکہ مومن کا تقویٰ اور رضائے الٰہی مطلوب ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں ہمارے لیے بڑی نصیحت ہے کہ ہم نے بھی یہی اقرار کیا ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ہمارا نہیں ہے اللہ کا ہے۔ہم اللہ کے حکم پر چلیں گے، اور اس کے حکم کے سامنے نہ اپنے دل کی بات مانیں گے اور نہ کسی دوسرے کی خواہش کی پرواہ کریں گے اور مندرجہ ذیل آیت کے ہم مصداق بنیں

گے: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (الانعام:162) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے : میری نماز، میری عبادتیں، میرا جینا اور میرا مرنا یقیناً اللہ ہی کے لئے ہے، جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔

ہم جس طرح جانور کی قربانی کرتے ہیں اسی طرح اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کردیں گے تاکہ اختلاف وانتشار بغض وحسد، کبر وغرور، عناد ودشمنی، مکر وفریب اور حق تلفی وجاہ طلبی کے ذریعہ انسانیت کی تباہی کا ذریعہ نہ بنیں بلکہ عظمت وبلندی کا جو معیار قرآن مجید نے بتایا ہے، اسے ہم اپنی زندگی میں لانے کی فکر کریں۔ ذات برادری، رنگ ونسل اور دولت وغربت کے سارے امتیازات کو مٹا کر اخوت ومساوات، پیار ومحبت اور ایک خدا کی عبادت وبندگی کی فضا قائم کریں۔ اس عید کے منانے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر قربانی کی وہی روح، اسلام وایمان کی وہی کیفیت اور خدا کے ساتھ محبت اور وفاداری کی وہی شان پیدا ہو جس کا مظاہرہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی پوری زندگی میں کیا ہے۔

قربانی ہم مسلمانوں سے کیا تقاضا کرتی ہے؟ فقط جانور ذبح کرنے کے بجائے قربانی کو وسیع تناظر میں دیکھتے ہوئے ہمیں قربانی کا درس سارا سال پیش نظر رکھنا چاہئے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرسکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اعلیٰ منصب عطا فرمایا ہے تو اپنا منصب اقرباء پروری اور ناجائز منفعت حاصل کرنے پر صرف نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو راحت پہونچائے۔ نیز خلقِ خدا کی راحت کو اپنی خواہشات پر ترجیح دیں۔ اپنی زبان یا قلم سے کسی ضرورت مند کو نفع دے سکتے ہیں تو اس ضرورت مند کی حسرتوں کا خون نہ نچوڑیں بلکہ اپنے اختیارات اور منصب وعہدہ کا صحیح استعمال کرتے ہوئے ان کی ضرورتوں کو پورا کریں کسی کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے تو اس میں سے کچھ اللہ کی مخلوق کو دے کر اپنے مال اور گھرانے میں برکتیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے، اپنے رشتے داروں کی مدد اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق وہ دوگنا اجر پائے گا، ایک اجر صلہ رحمی کا اور دوسرا اجر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا۔ عیدالاضحیٰ میں ہمیں صلہ رحمی کا پہلو مدنظر رکھنا چاہئے اور دیگر ایام میں بھی صدقہ اور صلہ رحمی کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

الغرض: سنت ابراہیمی کی ادائیگی کے حسین موقع پر ہم یہ عہد کریں کہ راہ خدا میں ہر طرح کی قربانی کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں گے، اپنے غرور کو خاک میں ملائیں گے اپنے رشتے داروں اور پڑوسیوں کا خیال رکھیں گے ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لئے ہر وقت مستعد اور تیار رہیں گے جب جہاں جس وقت جیسی قربانی طلب کی جائے گی ہم بلا تذبذب اور خوشی خوشی اپنے آپ کو پیش کریں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی قربانی قبول فرمائے، قربانی کے مقصد، تقاضے اور پیغام کو سمجھ کر اسی کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اصلاحی مضامین

نکاح: سنتِ نبویؐ یا محض ایک سوشل کنٹریکٹ

ازقلم: حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی زید مجدہٗ

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے اور سنت سے اعراض کرنے والوں سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔ نکاح انسانی فطرت کے تقاضوں میں سے ہے اور نسل انسانی کی نشوونما اور ان کی معاشرت کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے جب بعض صحابہؓ نے زندگی بھر شادی نہ کرنے کے عزم کا اظہار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ نکاح میری اور انبیاء کرامؑ کی سنت ہے۔ اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کو ایک شرعی تقاضہ قرار دے کر نہ صرف یہ کہ اس سے بلاوجہ گریز کو پسند نہیں کیا بلکہ نکاح کے بعد اسے عمر بھر نبھانے کی تلقین فرماتے ہوئے طلاق کو ناپسندیدہ ترین چیز قرار دیا کہ اسے انتہائی مجبوری کی صورت میں ہی اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ بعض احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت پر مال خرچ کرنے حتیٰ کہ اس کے منہ میں لقمہ ڈالنے کو خاوند کے لیے رضائے خداوندی کا ذریعہ بتایا ہے جبکہ عورت کے لیے خاوند کی اطاعت کو جنت کا راستہ ارشاد فرمایا ہے۔ یوں نکاح اسلام میں ایک مذہبی فریضے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جسے روحانی تقدس حاصل ہے اور وہ انسانی معاشرہ میں خاندان کے یونٹ اور اکائی کی مستحکم بنیاد ہے۔

آج ایک طرف مسلمان معاشرے کا خاندانی سسٹم تمام تر کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود بھی دنیا بھر کی توجہات کا مرکز ہے۔ اور دوسری طرف خاندانی سسٹم سے نجات کے خواہشمند اپنی راہ کا سب سے بڑا پتھر سمجھتے ہوئے اسے ختم کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ جبکہ ’’فری سوسائٹی‘‘ کی بلندیوں کو چھو کر واپسی کی راہ تلاش کرنے والے لوگ مسلم معاشرہ کے خاندانی نظام کو رشک اور امید کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

مغرب نے جب نکاح کو مذہبی تقدس اور تحفظ سے الگ کر کے محض ’’سوشل کنٹریکٹ‘‘ قرار دیا تو اس وقت اسے نتائج کا اندازہ نہ ہوسکا۔ آج جب یہ سوشل کنٹریکٹ یا برابری کا معاہدہ مغرب کو خاندانی زندگی کے تصور اور رشتوں کے تقدس سے کلی طور پر محروم کر چکا ہے تو وہی مغرب اب متبادل راہوں کی تلاش میں ہے۔ گزشتہ دنوں

خبر رساں ایجنسی رائٹر نے میکسیکو کے بارے میں ایک خبر دی ہے کہ وہاں طلاق کی شرح میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور نکاح کے بندھن کو مضبوط کرنے کے لیے اب کئی جوڑے ''قانونی معاہدوں'' کا سہارا لے رہے ہیں۔ خبر کے مطابق ایک جوڑے نے شادی کو عمر بھر کا بندھن بنانے کے لیے جو قانونی معاہدہ کیا ہے، اس کی تفصیلات سولہ صفحات پر مشتمل ہیں۔

خاندانی سسٹم کی تباہی اور طلاق کی شرح میں اضافہ نے مغرب کو اس حد تک پریشان کر دیا ہے کہ سوویت یونین کے آخری صدر میخائل گورباچوف نے اپنی کتاب ''پرسٹرائیکا'' میں اس کا رونا روتے ہوئے خاندانی نظام کی بحالی پر بے بسی کا اظہار کیا ہے۔ جبکہ برطانوی وزیر اعظم جان میجر Back to basics (بنیادوں کی طرف واپسی) کا نعرہ لگا کر ان عورتوں کے لیے سہولتیں فراہم کرنے کی پالیسیاں وضع کر رہے ہیں جو بچوں کی پرورش کے لیے گھر میں رہنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ برطانیہ میں تو یہ محاورہ عام طور پر سننے میں آتا ہے کہ تھری ڈبلیوز (Three Ws) کا کوئی اعتبار نہیں۔ وومن، ویدر، ورک۔ یعنی بیوی کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کب چھوڑ کر چلی جائے، موسم کا کچھ پتہ نہیں کہ کب کیا صورت اختیار کر لے، اور ملازمت کا کوئی اعتبار نہیں کہ کس روز اچانک جواب مل جائے۔

ظاہر بات ہے کہ جب شادی محض ایک سوشل کنٹریکٹ یا برابری کا معاہدہ ہوگا اور اسے مذہب اور روحانیت کا تحفظ حاصل نہیں ہوگا تو دونوں شراکت داروں میں سے جس کا جب جی چاہے چھوڑ دے۔ یہ تو دین اسلام ہے جو شادی کو روحانی رشتہ قرار دیتا ہے، طلاق کو ناپسندیدہ بلکہ شیطانی عمل کہتا ہے، میاں بیوی کی محبت کو خدا کی رضا کی علامت بتاتا ہے، بیوی بچوں کو کما کر کھلانے اور ان پر خرچ کرنے کو صدقہ اور اجر وثواب کا باعث قرار دیتا ہے، اور خاوند کی اطاعت کو بیوی کے لیے جنت کے حصول کا ذریعہ بیان کرتا ہے۔ الغرض انسانی معاشرہ آج بھی شادی کو محض ایک سوشل کنٹریکٹ سمجھنے کے بجائے مذہبی فریضہ اور انبیاء کرامؑ کی سنت کے طور پر اختیار کر لے تو اسے ان تمام مصیبتوں سے نجات مل سکتی ہے جو خاندانی انارکی کی صورت میں اس پر مسلط ہو چکی ہیں۔

اصلاحی مضامین

دجالی فتنوں کا ظہور اور ان سے بچاؤ کی تدابیر

مولانا سید احمد ومیض ندوی زید مجدہٗ*

عین قربِ قیامت کے موقع پر جن بڑی علامتوں کا ظہور ہوگا ان میں ایک نمایاں علامت ''دجال'' کا خروج ہے۔ فتنۂ دجال سب سے بھیانک فتنہ ہوگا۔ اس کی خطرناکی کا اندازہ ان روایات سے لگایا جاسکتا ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال سے چوکنا فرمایا ہے۔ اس فتنہ کی ہولناکی کے لیے یہی ایک بات کافی ہے کہ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فتنہ سے پناہ مانگتے تھے۔ چنانچہ ایک سے زائد مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں میں فتنۂ دجال سے پناہ طلب کرنے کا ذکر ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہؓ کے سامنے اس فتنہ کا تذکرہ فرماتے تو صحابہؓ کے چہروں پر خوف کے اثرات نمودار ہوجایا کرتے تھے۔ فتنۂ دجال سے صرف نبی آخرالزماں ہی نے اپنی قوم کو نہیں ڈرایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صراحت کے مطابق ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو اس فتنہ سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت ہے، آپ نے فرمایا: ما بعث نبی إلا أنذر أمته الأعور الکذاب (بخاری شریف ۶۵۹) کوئی نبی ایسے نہیں بھیجے گئے جنھوں نے اپنی امت کو کانے کذاب سے نہ ڈرایا ہو۔ ایک اور روایت میں فتنۂ دجال کی ہولناکی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا آدم علیہ السلام کی پیدائش اور روزِ قیامت کے درمیان ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہوگا اور وہ دجال کا فتنہ ہے۔ (مستدرک حاکم ۴/ ۵۷۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضراتِ صحابہ کو فتنۂ دجال سے بچانے کی اس قدر فکر دامن گیر رہتی تھی کہ آپ نے انہیں نماز میں بعد تشہد پڑھی جانے والی دعاؤں میں ایک دعا ایسی تعلیم فرمائی جس میں فتنۂ دجال سے پناہ مانگی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں تشہد پڑھ کر فارغ ہوجائے تو اللہ تعالیٰ سے چار چیزوں سے پناہ مانگے اور کہے اے اللہ! میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور قبر کے عذاب سے اور موت وحیات کے فتنے سے اور مسیح دجال کے شر سے۔

مسیح دجال ایک متعین شخص ہوگا جو قیامت سے متصل خروج کرے گا۔ لیکن بعض احادیث کے اشارات

* استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد

سے معلوم ہوتا ہے کہ خروجِ دجال سے بہت پہلے سے دجالی فتنے ظاہر ہونے لگیں گے۔ دجال دجل سے ماخوذ ہے، دجل کے معنٰی فریب اور انتہائی درجہ کی عیاری و مکاری کے ہیں۔ دجال دجل وفریب کی سب سے اونچی منزل پر ہوگا۔لیکن اس کے خروج سے کافی پہلے سے دجالی فتنے رونما ہونے شروع ہوجائیں گے۔اس وقت دنیا بھر میں شیطانی قوتوں کے ذریعہ جیسے کچھ حالات پیدا کئے جارہے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دجالی فتنے پوری قوت کے ساتھ اپنا اثر دکھارہے ہیں۔ جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کا سب سے بڑا دجل حقائق کو الٹنے اور باطل کو حق کی شکل میں پیش کرنے سے متعلق ہوگا جو اہلِ ایمان کے لیے آزمائش ہوگا۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا دجال کے خروج سے پہلے چند سال دھوکہ وفریب کے ہوں گے، سچے کو جھوٹا بنایا جائے گا اور جھوٹے کو سچا بنایا جائے گا، خیانت کرنے والے کو امانت دار بنایا جائے گا اور امانت دار کو خیانت کرنے والا قرار دیا جائے گا اور ان میں رویبضہ بات کریں گے، پوچھا گیا رویبضہ کون ہیں؟ فرمایا گھٹیا (فاسق وفاجر) لوگ، وہ لوگوں کے اہم معاملات میں بولا کریں گے۔(مسند احمد: ۱۳۳۲۲)

صلیبی وصہیونی طاقتیں اور مغربی میڈیا آج وہ سب کچھ کررہا ہے جس کی طرف حدیث بالا میں اشارہ کیا گیا ہے۔بعض معاصر علماء نے موجودہ صہیونی وصلیبی طاقتوں اور ان کی جانب سے ہونے والی عالمی سطح کی اسلام مخالف سرگرمیوں کو دجالی فتنوں کا مظہر قرار دیا ہے۔ گو کہ اس نظریہ سے کلی اتفاق ضروری نہیں لیکن اتنی بات تو احادیث میں بھی مذکور ہے کہ دجال یہود میں سے ہوگا اور جب اس کا ظہور ہوگا تو یہودی ہزاروں کی تعداد میں اس کے جھنڈے تلے جمع ہوجائیں گے۔ اور مال و دولت اور حیرت انگیز مادّی وسائل کے ذریعہ لوگوں کو مبہوت کرکے رکھ دیں گے اور بہت سے کمزور ایمان والے مسلمان مالی مفاد کی خاطر دجال کی ہمنوائی کرنے لگیں گے۔ حضرت عبید بن عمیر اللیثی فرماتے ہیں کہ دجال نکلے گا تو کچھ ایسے لوگ اس کے ساتھ شامل ہوجائیں گے جو یہ کہتے ہوں گے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ (دجال) کافر ہے، بس ہم تو اس کے اتحادی اس لیے بنے ہیں کہ اس کے کھانے میں سے کھائیں اور اس کے (باغات) میں اپنے مویشی چرائیں۔ چنانچہ جب اللہ کا غضب نازل ہوگا تو ان سب پر نازل ہوگا۔(الفتن نعیم بن حماد ۲/۵۴۶) علامہ شہرستانی نے الملل والنحل میں دجال کے حوالہ سے حافظ ابن حزم کا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دجال کا کرشمہ (حیل) یعنی ٹیکنالوجی کی نوعیت کا ہوگا۔ایک حدیث میں دجال کے حیرت انگیز کرشموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے گھر تشریف فرماتھے، آپ نے دجال کا بیان فرمایا اور فرمایا اس کے فتنے میں سب سے خطرناک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک دیہاتی کے پاس آئے گا اور کہے گا کیا خیال ہے اگر میں تیری (مری

ہوئی) اونٹنی زندہ کردوں تو کیا تو نہیں مانے گا کہ میں ہی تیرا رب ہوں؟ دیہاتی کہے گا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد شیاطین اس کے اونٹ جیسا بنا دیں گے، اس سے بھی بہتر جس طرح وہ دودھ والی تھی اور پیٹ بھرا ہوا تھا (اسی طرح) دجال ایک ایسے شخص کے پاس آئے گا جس کے باپ اور بھائی مرگئے ہوں گے، ان سے کہے گا کیا خیال ہے اگر میں تیرے باپ اور بھائی کو زندہ کردوں تو تو پھر بھی نہیں پہچانے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ تو وہ کہے گا کیوں نہیں۔ چنانچہ شیاطین اس کے باپ اور بھائی کی شکل میں آجائیں گے۔ یہ بیان کر کے آپ ﷺ باہر کسی کام سے تشریف لے گئے، پھر کچھ دیر بعد آئے تو لوگ اس واقعہ سے رنجیدہ تھے، آپ ﷺ دروازے کی دونوں چوکھٹیں پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا اسماء کیا ہوا؟ تو حضرت اسماء نے فرمایا: یارسول اللہ! آپ نے تو دجال کا ذکر کر کے ہمارے دل ہی نکال دیے۔ اس پر آپ نے فرمایا: اگر وہ میرے ہوتے ہوئے نکل آیا تو میں اس کے لیے رکاوٹ ہوں گا ورنہ میرا رب ہر مومن کے لیے نگہبان ہوگا۔ پھر اسماء نے پوچھا یارسول اللہ! ہم آٹا گوندھتے ہیں تو اس وقت تک روٹی نہیں پکاتے جب تک بھوک نہ لگے تو اس وقت تک اہلِ ایمان کی کیا حالت ہوگی؟ آپ نے فرمایا ان کے لیے وہی تسبیح وتحمید کافی ہوگی جو آسمان والوں کو کافی ہوتی ہے۔

(الفتن لابی نعیم بن حماد: ۲/ ۵۳۵)

عصرِ حاضر کی دجالی طاقتیں تین محاذوں سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی ہیں۔ (۱) تعلیمی وفکری محاذ (۲) مالی وغذائی محاذ (۳) ثقافتی محاذ۔ ان تینوں محاذوں سے اس وقت دجل وفریب کا بازار گرم ہے۔ اور دجال اکبر کے لیے اسٹیج تیار کیا جارہا ہے۔ جہاں تک تعلیمی میدان کا تعلق ہے تو مخلوط طرزِ تعلیم آزادیٔ فکر پر مبنی نصابِ تعلیم۔ مقاصدِ تعلیم میں صرف مادّیت پرزور جیسی شکلوں میں دجالی فتنے دندنا رہے ہیں۔ پھر سودی بینکنگ سسٹم، لائف انشورنس، ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعہ مالی نظام پر دجال کے چیلوں کی گرفت مضبوط ہوتی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ اوپن کلچر، آزادیٔ نسواں، فیوچر پلاننگ اور جنسی انارکی کے ذریعہ ساری دنیا پر دجالی تہذیب مسلط کی جارہی ہے۔ دجال کبیر کا ظہور تو قربِ قیامت پر ہوگا لیکن دجالی اثرات اور دجالی طرزِ فکر ابھی سے سارے عالم پر چھاتا جارہا ہے۔ دجالی فکر اسلامی فکر سے بالکلیہ طور پر متصادم ہے۔ اور اس وقت مغرب اور یہود و نصاریٰ اسی دجالی فکر کی نمائندگی کررہے ہیں۔ بقول مولانا طالب جلال ندوی:

''مغربی نظام کے ہر گوشے میں دجالیت کی موجیں ٹھاٹھیں ماررہی ہیں۔ دجالیت ہر شعبے میں اسلام سے برسرِ پیکار ہے۔ اسلام کا تصور یہ ہے کہ دین اصل ہے، دنیا اس کے تابع ہے۔ ترجیحات میں دین ہمیشہ نمبر ایک پر رہے گا اور دنیا ہمیشہ نمبر دو پر رہے گی۔ اور دجالی تصور یہ ہے کہ دنیا میں ترقی کرنی ہے تو دنیا کو نمبر ایک پر رکھنا ہوگا

اور دین کو نمبر دو پر۔ دین ایک نجی معاملہ ہے، اس کا تعلق چند باطنی اعتقادات سے ہے۔ دنیا میں کھاؤ پیو مستی کرو، فیوچر پلاننگ صرف دنیوی نقطۂ نظر سے کرو۔ آج آخرت کے نقطۂ نظر سے فیوچر پلاننگ کرو گے تو کچھ نہیں ملے گا۔''

دجالی فتنوں سے بچاؤ کی روحانی و عملی تدابیر

اب رہا یہ سوال کہ عالمگیر سطح کے ان دجالی اثرات سے مسلمان خود کو کیسے محفوظ رکھیں اور دجالی فتنوں سے تحفظ کے لیے کیا تدابیر اختیار کریں تو اس سلسلہ میں مفتی ابولبابہ شاہ منصور (جنہیں اس موضوع پر گہری بصیرت حاصل ہے) کی کتاب ''دجال جلد دوم'' میں درج تدابیر کا خلاصہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ مفتی ابولبابہ شاہ منصور نے اس سلسلہ کی تمام تدابیر کا خوبی کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔

اس عظیم فتنے سے بچنے کے لیے قرآن وسنت اور نصوصِ شریعت کی عصری تطبیق سے اخذ کردہ روحانی و عملی تدابیر ملاحظہ فرمائیں:

روحانی تدابیر:

۱) ہر قسم کے گناہوں سے سچی توبہ اور نیک اعمال کی پابندی۔

۲) اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس سے تعلق کو مضبوط کرنا اور دین کے لیے فدائیت (قربان ہونے) اور فنائیت (مر مٹنے) کا جذبہ پیدا کرنا۔

۳) آخری زمانے کے فتنوں اور حادثات کے بارے میں جاننا اور ان سے بچنے کے لیے نبوی ہدایات سیکھنا اور ان پر عمل کرنا۔

۴) دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتنوں کا شکار ہونے سے بچائے اور حق کی مدد کے وقت باطل کے ساتھ کھڑنے کی بدبختی اور اس کے وبال و عذاب سے محفوظ رکھے۔ اس دعا کا اہتمام کرنا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ وَمَا بطَنَ، اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الحقَّ حقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ، وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ۔

۵) ان تمام گروہوں اور نت نئی پیدا شدہ جماعتوں سے علیحدہ رہنا جو علمائے حق اور مشائخِ عظام کے متفقہ اور معروف طریقے کے خلاف ہیں اور اپنی جہالت یا خود پسندی کی وجہ سے کسی نہ کسی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

۶) امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کے گناہوں بھرے شہروں کے بجائے حرمین شریفین، ارضِ شام، بیت المقدس وغیرہ میں رہنے کی کوشش کرنا، خونی معرکوں میں زمین کے یہ خطے مؤمنوں کی جائے پناہ ہیں اور

دجال ان میں داخل نہ ہو سکے گا۔ایسا ممکن نہ ہو تو اپنے شہروں میں رہتے ہوئے جید علمائے کرام کے حلقوں سے جڑے رہنا۔

۷) پابندی سے تسبیح وتحمید اور تہلیل وتکبیر (آسانی کے لیے تیسرا اور چوتھا کلمہ کہہ لیں) کی عادت ڈالی جائے۔دجال کے فتنے کے عروج کے دنوں میں جب وہ مخالفین پر غذائی پابندی لگائے گا ان دنوں ذکر وتسبیح غذا کا کام دے گی، لہٰذا ہر مسلمان صبح وشام مسنون تسبیحات (درودِ شریف، تیسرا (یا چوتھا) کلمہ اور استغفار کی عادت ڈالے۔ابھی سے تہجد کی عادت ڈالیں۔)

۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمانوں پر اٹھائے جانے اور خروجِ دجال کے بعد واپس زمین پر آکر دجال اور اس کے پیروکار یہودیوں کا خاتمہ کرنے (جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تکلیفیں دیں) پر یقین رکھے کہ یہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

۹) جب حضرت مہدی کا ظہور ہو اور علمائے کرام ان کو صحیح احادیث میں بیان کردہ علامات کے مطابق پائیں تو ہر مسلمان ان کی بیعت میں جلدی کرے۔باطل پرست اور گمراہ و بے دین لوگ دجالی قوتوں کے جن نمائندوں کو فرضی روحانی شخصیات کہہ کر (مہدی موعود یا مسیح موعود) اور ان کی تشہیر کرتے ہیں ان سے دور رہنا اور ان کے خلاف کلمہ حق کہنے والے علمائے حق کا ساتھ دینا۔

۱۰) جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرنا، اس کی ابتدائی اور آخری دس آیات کو حفظ کر لینا اور صبح وشام ان کو دہرانا۔ایک مشہور حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ دجال کے فتنے سے جو محفوظ رہنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ سورۂ کہف کی ابتدائی یا آخری دس آیتوں کی تلاوت کرے۔ان میں کچھ ایسی تاثیر اور برکت ہے کہ جب ساری دنیا دجال کی دھوکہ بازیوں اور شعبدہ بازیوں سے متأثر ہو کر نعوذ باللہ اس کی خدائی تک تسلیم کر چکی ہوگی اس سورت یا ان آیات کی تلاوت کرنے والا اللہ کی طرف سے خصوصی حصار میں ہوگا اور دجالی فتنہ اس کے دل ودماغ کو متأثر نہ کر سکے گا، لہٰذا ہر مسلمان پوری سورۂ کہف یا کم از کم شروع یا آخر کی دس آیتوں کو زبانی یاد کرے اور ان کا دور کرتا رہے۔

عملی تدابیر:

۱) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ملکوتی اخلاق پھیلانا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تین صفات ہیں جنہیں اپنانے والے ہی مستقبل قریب میں برپا ہونے

والے عظیم رحمانی انقلاب کے لیے کارآمد عنصر ثابت ہوسکیں گے:

پہلی صفت: صحابہ کرامؓ کے دل باطنی بیماریوں اور روحانی آلائشوں یعنی تکبر، حسد، ریا، لالچ، بخل، بغض وغیرہ سے بالکل پاک وصاف اور خالص ومخلص تھے، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ سچے اللہ والے، متبعِ سنت بزرگ کی خدمت میں اپنے آپ کو پامال کرے اور ان کی اصلاحی تربیت کے ذریعے ان مہلک روحانی بیماریوں سے نجات سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

دوسری صفت: وہ علم کے اعتبار سے اس عالمِ امکان میں علمیت اور حقیقت شناسی کی آخری حدوں تک پہنچ گئے تھے جہاں تک ان سے پہلے انبیاء کو چھوڑ کر نہ کوئی انسان پہنچ سکا اور نہ آئندہ پہنچ سکتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ روحانی اور رحمانی علم کی جستجو کرے۔ یہ علم اللہ والوں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اس علم کے بغیر کائنات اور اس میں موجود اشیاء حوادث کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی۔

تیسری صفت: وہ روئے زمین پر سب سے کم تکلف کے حامل بننے میں کامیاب ہوگئے۔ ہر مسلمان بے تکلفی، سادگی اور جفاکشی اختیار کرے۔ مغرب کی ایجاد کردہ طرح طرح کی سہولیات اور عیش وعشرت کے اسباب سے سختی کے ساتھ بچیں۔ ہر طرح کے حالات میں رہنے، کھانے، پینے اور پہننے کی عادت ڈالیں۔ (تیز قدموں سے) پیدل چلنے، تیراکی کرنے، گھوڑ سواری، نشانہ بازی اور ورزشوں کے ذریعے خود کو چاق وچوبند رکھنے کا اہتمام کریں۔

۲) مسلمانوں کی بقاء وفلاح اس میں ہے کہ اپنی نئی نسل میں جذبۂ جہاد کی روح پھونک کر اس دنیا سے جائیں اور اپنے اہل وعیال اور متعلقین کا اللہ کے راستے میں جان ومال قربان کرنے کا ذہن بنائیں۔

۳) فتنۂ مال واولاد سے حفاظت:

فتنۂ دجال دراصل ہے ہی مال کی محبت اور مادّیت پرستی کا فتنہ، اس لیے ضروری ہے کہ ہر مسلمان حلال وحرام کا علم حاصل کرے۔ ہر طرح کے حرام سے بالکل اجتناب کرے۔ صرف اور صرف حلال مال کمائیں اور پھر اس میں سے خود بھی فی سبیل اللہ خرچ کریں اور بچوں سے بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرواکر ان کی عادت ڈالیں۔ اولاد کی دینی تربیت کریں اور ان کی محبت کو دینی کاموں اور جہاد فی سبیل اللہ میں رکاوٹ نہ بننے دیں۔

۴) فتنۂ جنس سے حفاظت:

(۱) مرد اور عورت کا مکمل طور پر علیحدہ علیحدہ ماحول میں رہنا جو شرعی پردے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

(۲) عورتوں کو زیادہ سے زیادہ شرعی مراعات دینا اور ان کی مخصوص ذمہ داریوں کے علاوہ دیگر

ذمہ داریوں سے انہیں سبکدوش کرنا جو اُن کی فطرت اور شریعت کے خلاف ہے۔

(۳) بالغ ہونے کے بعد مردوں اور عورتوں کی شادی میں دیر نہ کرنا۔

(۴) نکاح کو زیادہ سے زیادہ آسان بنانا اور فسخ نکاح کو زیادہ سے زیادہ منضبط بنانا۔

(۵) کسی بھی عمر میں جنسی ونفسیاتی محرومی کو کم سے کم واقع ہونے دینا، لہٰذا بڑی عمروں کے مردوں اور عورتوں کو بھی پاکیزہ گھریلو زندگی گزارنے کے لیے نکاحِ ثانی کی آسانی فراہم کرنا۔

(۶) کثرتِ نکاح اور کثرتِ اولاد کو رواج دینا، ورنہ امت سکڑتے سکڑتے دجالی فتنے کے آگے سرنگوں ہوجائے گی۔

(۷) مردوں کی ایک سے زیادہ شادی، دوسری شادی ترجیحاً بیوہ، مطلقہ، خلع یافتہ یا بے سہارا عورت سے کی جائے۔

(۸) بیوہ ومطلقہ عورتوں کی جلد شادی کرنا۔

(۹) شادی کو خرچ کے اعتبار سے آسان تر بنانا اور نکاحِ ثانی اور بیوہ ومطلقہ سے شادی پر ہر طرح کی معاشرتی پابندیوں کا خاتمہ کرنا۔

(۱۰) معاشرے میں آسان ومسنون نکاح کی ہمت افزائی کرنا اور مشکل نکاح سے (جس سے غیر شرعی رسومات اور فضول خرچی پر مشتمل رواج ہوتے ہیں) ناپسندیدگی کا اظہار کرنا۔

(۱۱) ماہر اور تجربہ کار دائیوں کی زیر نگرانی گھر میں ولادت کا انتظام کرنا اور زچگی کے آپریشن سے حتی الوسع اجتناب کرنا۔

۵) فتنۂ غذا سے حفاظت:

فتنۂ دجال اکبر کے سامنے سب سے زیادہ آسان شکار حلال وطیب کے بجائے حرام مال اور خبیث غذا سے پروردہ جسم ہوتا ہے، لہٰذا جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے ان سے اپنے آپ کو سختی سے بچایا جائے۔ حرام لقمہ، حرام گھونٹ اور حرام لباس سے خود کو آلودہ نہ ہونے دیا جائے۔ مصنوعی طور پر Cross-Polination اور Hybridization کے ذریعے پیدا کردہ غذاؤں نیز ڈبہ بند غذائی اشیاء اور جینیاتی وکیمیاوی طور پر تیار کردہ غذاؤں سے سختی سے پرہیز کیا جائے۔

۶) فتنۂ میڈیا سے حفاظت:

(۱) دجالی قوتوں کا سب سے اہم ہتھیار ''دجل'' ہے یعنی جھوٹ اور مکر وفریب، جھوٹا پروپیگنڈہ، جھوٹی

افواہیں، جھوٹے الزامات، جھوٹے دعوے، جھوٹا رعب، جھوٹی دھمکیاں، مصدقہ جھوٹی خبریں جو غلط کو صحیح بتائیں اور مبینہ جھوٹی رپورٹیں جو سچ کو جھوٹ میں چھپا دیں۔

یہ سب کچھ اور اس جیسا اور بہت کچھ دجالی کے ہرکاروں کے مخصوص حربے ہیں۔ اس دور کے انسانوں پر لازم ہے کہ جدید ذرائعِ ابلاغ کے فتنے سے خود کو بچائیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ (صبح شام) سورۂ کہف کی ابتدائی و آخری آیات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ انہیں حق و باطل میں اور اصل و دجل میں تمیز کی صلاحیت عطا کرے۔

(۲) اس دعا کے ساتھ ہر طرح کے گناہوں سے بچیں اور ظاہر و باطن میں تقویٰ کا اہتمام کریں کہ اس کی برکت سے اہلِ ایمان کو ''فرقان'' عطا ہوتا ہے یعنی ایسی فہم و فراست جس سے صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ میں فرق کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

(۳) میڈیا پر انحصار کرنے کے بجائے حقیقتِ حال معلوم کرنے کے نجی طریقے استعمال میں لائے جائیں۔

(۴) اگر جدید میڈیا سے خبریں سننی ہی پڑ جائیں تو ان کی رَو میں بہہ جانے کے بجائے ان کا تجزیہ کیا جائے۔ جن اسلامی ممالک، دینی افراد، نظریاتی تعلیمات، جہادی تحریکات یا دینی اداروں کے متعلق افواہی خبریں فراہم کی جارہی ہیں، ان سے متعلق تحقیق کی جائے۔ اگر تضاد یا تعارض دکھائی دے تو اہلِ علم و صلاح کی بات پر اعتماد کیا جائے نہ کہ جھوٹی خبریں بیچ کر دجل پھیلانے والوں کے اصرار پر۔

(۵) دین و مذہب اور ملک و ملت کے مفاد کے خلاف کسی بات کو آگے نہ پھیلایا جائے۔ کسی نیک نیت شخصیت یا ادارے، تحریک و تنظیم کے خلاف مہم میں شریک ہونے بننے کے بجائے خیر کی بات پھیلائی جائے اور حسنِ ظن پر مبنی تبصرہ دوٹوک انداز میں بیان کیا جائے۔ افواہوں کا آسان شکار بننے کے بجائے مؤمنانہ فراست کا اظہار کیا جائے۔

۷) فتنۂ شیطانیت سے حفاظت:

شیطان نے جنت سے نکالے جانے کے وقت قسم کھائی تھی کہ وہ آدم کی اولاد کو گمراہ کرنے کا ہر وہ جتن کرے گا جس کے ذریعے وہ اسے جنت میں داخلے سے روک سکے اور اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار چونکہ دجال ہے، اس لیے شیطان کی پوجا اور دجال کی جھوٹی خدائی کو تسلیم کرنا دونوں ہم معنی باتیں ہیں۔ ان دونوں چیزوں یعنی شیطانیت اور دجالیت کی تعظیم و تشہیر کے لیے آج کل کچھ شیطانی علامات

اور دجالی نشانات دنیا بھر میں باقاعدہ منصوبے کے تحت پھیلائے جارہے ہیں اور ان کو فروغ دے کر عنقریب ظہور کرنے والے ''ایک چشم شیطان'' سے لوگوں کو مانوس کیا جارہا ہے۔ اپنے گردو پیش میں پھیلی ہوئی ان علامات کو پہچاننا اور ان کی نحوست سے خود کو اور دوسروں کو بچانا اور ان کے پیچھے چھپے ہوئے خفیہ شیطانی پیغام کو مسترد کر کے رحمان کے مبارک پیغامات کو پھیلانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ ان علامات میں سب سے مشہور اکلوتی آنکھ ہے۔ جو دجال کی معیوب اور قابلِ نفرت پہچان ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ دو شیطانی کاموں سے بچنے کی کوشش جو شیطان کی پوجا کرنے والوں اور دجال کی راہ ہموار کرنے والوں کا سب سے آزمودہ گر ہیں۔

(۱) فحاشی یعنی جنسی بے راہ روی، جس کی کوئی انتہا نہیں اور یہ انسان کو حیوانیت (کتے، بلی) کی سطح تک لے جاتی ہے۔ یعنی ''اسفل السافلین'' تک جہاں وہ بآسانی دجال کا غلام اور شیطان کا پجاری بن جاتا ہے۔

(۲) جادوگر: شیطان کو خوش کر کے دنیاوی فوائد (دولت، شہرت، جنسی تسکین) لوٹنے اور مافوق الفطرت شیطانی قوتوں سے یہ مدد حاصل کرنے کے لیے آج کل جادو کو سائنٹفک طریقے سے فروغ دینے کے لیے شیطان کے چیلے جدید ترین انداز اختیار کررہے ہیں۔ اس شیطانی دجال سے بچیئے جس میں پھنسنے والا ایمان سے ہاتھ دھو کر دھوکے اور سراب میں پڑا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے موت کے سکرات میں گھیرتے ہیں۔

(دجال ۲/ ۱۷۸-۱۸۵)

فکرونظر

اختلاف یا انحراف؟

از: مفتی عبید انور شاہ قاسمی*

وہ اختلافِ رائے جو مبنی بر دلیل، نیز سنجیدگی اور اخلاص کو شامل ہو اس سے کسی صاحبِ فکر ونظر کو کبھی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا. اختلاف انسانی عقل وشعور کی مختلف سطحوں اور نوعیتوں کے اظہار کا وسیلہ ہے. یہ اختلاف انسانی طبیعت کا خاصہ اور اس کی فکری نیرنگی کی ایک روشن مثال ہے. اس محمود اختلاف کے نمونے مختلف مسالک کے علماء کے مابین بلکہ ایک ہی مسلک کے علماء کے درمیان بھی دیکھنے میں آتے رہے ہیں اور ہماری مذہبی تاریخ اس کی زریں مثالوں سے بھری پڑی ہے. امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ان کے شاگردوں کا اختلاف کسی صاحبِ علم پر مخفی نہیں. بے شمار مسائل میں امام صاحب کے شاگردوں نے ان سے دلائل کی بنیاد پر اختلاف کیا ہے. فقہ حنفی کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں یہ مسائل لکھے ہوئے ہیں. بعد کے اہلِ علم نے اس اختلاف کو قبول کیا اور لاتعداد مسائل وہ ہیں جن میں امام اعظم رحمہ اللہ کے مقابلے ان کے کسی شاگرد کے قول کو ترجیح دی گئی اور فتوے کے لیے زیادہ مناسب سمجھا گیا. اس علمی روایت میں اس قدر وسعت کا مظاہرہ رہا کہ بسا اوقات زمانے اور ضرورت کے پیشِ نظر علماء احناف نے امام اعظم رحمہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دیا۔ ان حضرات نے نہ اپنے مسلک پر بیجا ضد کی، نہ امام اعظم اور ان کے شاگردوں کو خدائی کا وہ درجہ دیا کہ جس سے اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو. جب ضرورت محسوس ہوئی (اور اس ضرورت کو علماء بہتر سمجھتے ہیں) انہوں نے اختلاف کی جائز شکلوں سے بھرپور استفادہ کیا. ماضی قریب میں حکیم الأمت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے وقت کے ایک سلگتے مسئلہ (مسئلہ زوجہ مفقود الخبر) میں مالکی 2 مسلک کے مطابق فتوی دیا اور اس وقت کے تمام معتبر علماء نے ان کی تائید کی. یہ صرف ایک مثال ہے، جو برائے وضاحت ذکر کی گئی ہے، لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ علماء کرام کبھی علمی اختلاف کے خلاف نہیں رہے ہے. علماء نے اس موضوع پر باقاعدہ کتابیں لکھیں اور اختلاف کے اصول ذکر کیے. "اہلیت"، "ادب واحترام" اور "نیک نیتی" کے ساتھ جو اختلاف یا تنقید کی جاتی ہے وہ اثر کرتی اور مقبول ہوتی ہے۔ تاریخ اور روایت ہماری اس بات کے گواہ ہیں۔

* استاذ حدیث جامعۃ الامام انور شاہ دیوبند

لیکن یہاں ایک دوسرا مسئلہ ہے، وہ یہ کہ اختلاف کن چیزوں میں جائز ہے اور کن میں نہیں؟ کچھ لوگ نادانی میں یہ فرق ملحوظ نہیں رکھتے کہ کچھ امور وہ ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش نہیں. ان میں اختلاف کرنا دراصل اختلاف نہیں بلکہ انحراف ہے. وہ امور جو عقیدہ سے متعلق ہیں، وہ مسائل جن پر امت کا اجماع ہو چکا ہے ان میں اختلاف ممکن نہیں. کچھ لوگ ان مسائل میں جمہور امت سے الگ راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں اور جب انہیں ٹوکا جاتا ہے تو یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اختلاف ہر انسان کا پیدائشی حق ہے. یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اختلاف کہاں ممکن ہے اور کہاں نہیں؟

مثال کے طور پر ساری امت کا یہ عقیدہ ہے کہ فرض نمازیں پانچ ہیں، قرآن مجید کے کل تیس پارے ہیں، نبی اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا. یہ وہ عقیدہ ہے جسے ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ مسلمان جانتا ہے. اب اگر ان امور میں کوئی دوسری رائے اختیار کرتا ہے، پانچ نمازوں کی فرضیت کا انکار کرتا ہے، قرآن میں تیس کی جگہ پچیس یا پینتیس پارے بتاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتا تو یہ ہرگز کوئی "علمی اختلاف" نہیں بلکہ صریح انحراف ہے۔

اسی طرح اجماع کا مسئلہ ہے، جس کی بہت واضح مثال امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قادیانی جماعت دائرہ اسلام سے خارج ہے. یہ جماعت ایسے متعدد عقائد کی حامل ہے جو قرآن وحدیث کے بالکل خلاف اور پوری امت کے مسلمہ اصولوں کے برعکس ہیں. ان عقائد کی تفصیل قادیانیت کے رد میں لکھی گئی بے شمار کتابوں میں حوالے کے ساتھ درج ہیں. یہ عقائد اسلامی تعلیمات کے بالکل مخالف ہیں، اسی بنا پر پوری امت نے مسلک ومشرب کے آپسی اختلاف کے باوجود اس جماعت کے کفر پر ایسا واضح اجماع کیا جس کی نظیر نہیں ملتی. بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، جماعت اسلامی وغیرہ تمام جماعتوں نے اس فتنے کی تردید میں کام کیا اور بیک زبان اسے کافر قرار دیا. ہزاروں علماء نے مرزا غلام احمد قادیانی کی لکھی ہوئی کتابوں کا جائزہ لیا، ایک ایک سطر کا مطالعہ کیا، ہر اعتبار سے جانچا اور پرکھا، سب اسی نتیجے پر پہنچے کہ مرزا غلام قادیانی اور اس کے پیروکار کافر ہیں. مختلف مسالک کے مقتدر علماء نے اس سلسلے میں کتابیں لکھیں، جن میں مولانا امام رضا خان بریلوی، علامہ سید انور شاہ کشمیری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالاعلی مودودی کے نام نمایاں ہیں۔

عدالتی اور سرکاری سطح پر دیکھیں تو پاکستانی پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ اٹھا، پارلمنٹ میں قادیانی مرزائی گروپ کے لیڈر مرزا ناصر احمد اور قادیانی لاہوری گروپ کے پیشوا صدر الدین کے ساتھ مناقشہ ہوا، اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار نے اس پر، قادیانی کفریہ عقائد کے حوالہ سے جرح کی۔ ایک مہینہ (30 دن) تک پارلیمنٹ نے دن

رات ایک کر کے مسئلہ قادیانیت کی تحقیق و تدقیق کی، قادیانی جماعت کی لکھی ہوئی کتابوں اور غلام احمد قادیانی کی تصنیفات کا منصفانہ جائزہ لیا گیا. تمام تر بحث اور دلائل کی روشنی میں جب پارلیمنٹ کے سامنے قادیانیوں کا کفر آشکارا ہو گیا تو پارلیمنٹ نے ایک ماہ کی طویل کارروائی کے نتیجے میں 7 ستمبر 1974ء کو آئینی ترامیم (2)106 اور (3) 260 کے ذریعے متفقہ طور پر قادیانی جماعت کے دونوں گروہوں (مرزائی گروپ اور لاہوری گروپ) کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

ربیع الاول 1934 ھجری بمطابق اپریل 1974 عیسوی میں مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کا عالمی اجلاس منعقد ہوا اور پوری دنیا سے مسلمان تنظیموں کے وفود شامل ہوئے، اور اس کانفرنس میں بالاتفاق یہ فیصلہ کیا گیا کہ قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور ان کے حج میں شریک ہونے پر پابندی عائد کر دی گئی.

اسی طرح بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی (مجمع الفقه الإسلامي الدولي) سے منسلک اسلامی کانفرنس کی تنظیم (منظمة المؤتمر الإسلامي) نے جدہ میں منعقد اپنی کانفرنس میں بتاریخ 22-28 دسمبر 1985 کو قادیانی جماعت کے کفر پر مہر تصدیق ثبت کی. سعودی عرب میں فتوے کی سب سے بڑی اور سرکاری تنظیموں میں سے ایک "اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء بالمملكة العربية السعودية" (دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات اور فتوی نویسی سعودی عربیہ) نے بھی یہ فتویٰ صادر کیا، اور قادیانیوں کو کافر قرار دیا

یہ تھوڑی سی تفصیل ہے اس بات کی کہ قادیانیوں کا کافر ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام مسالک کے علماء، اور عالم اسلام کے اہلِ علم اور اصحابِ افتاء متفق ہیں. یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے جس میں اختلاف کی گنجائش نہیں. اب اگر اس نظریہ کے خلاف کوئی مسلمان دوسری رائے اختیار کرتا ہے (جیسا کہ جناب جاوید احمد غامدی جو مرزا غلام قادیانی کو کافر نہیں، بلکہ بڑا صوفی اور زاھد مانتے ہیں) تو یہ ہرگز اختلاف نہیں، بلکی صریح انحراف ہے. جمہور امت سے الگ راہ اختیار کرنا ہے جو ارشاد باری "وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا" کا مصداق ہے۔

اس تحریر کا مقصد اس بات کی وضاحت کرنا ہے کہ ہر اختلاف نہ قابلِ قبول ہے اور نہ ہر مسئلے میں اختلاف کا جواز ہے۔ اختلاف اور انحراف میں اگر فرق نہیں سمجھا گیا تو حق و باطل کی تفریق مٹ جائے گی اور اصلاح کی آڑ میں تحریف اور تخریبِ دین کا بدترین کام انجام دیا جاتا رہے گا۔

دعوتِ فکر وعمل

سانحہ نہیں ٹلتا سانحے پہ رونے سے

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

ہندوستان کا سیاسی منظر نامہ نہایت تیزی کے ساتھ ہندوتوا کی طرف بڑھتا جارہا ہے، آج کا مسلمان سماجی اعتبار سے کشمکش کے دوراہے پر کھڑا ملک کی موجودہ صورت حال پر ماتم کناں اور چاک گریباں ہے۔ جب کہ دوسری طرف یکے بعد دیگرے مسلسل کامیابیوں کے نتیجہ میں زعفرانی تنظیموں نے اپنے حوصلوں کو بلندتر اور سازشوں کو تیزتر کردیا ہے اور اس بات میں بھی ادنیٰ شک وتردد کی گنجائش نہیں کہ ان فتوحات وکامرانیوں کے پیچھے آر ایس ایس کی پیہم محنت، طویل جدوجہد اور زبردست منصوبہ بندی ہے؛ جو نظام قدرت کے تحت آج ان کا مقدر بن چکی ہے۔

بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس وقت مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ عدم تحفظ کا ہے، اس احساس نے انہیں ہمیشہ ترقی کی راہ میں آگے بڑھنے سے روکا ہے اور رفتہ رفتہ یہ سلسلہ طول پکڑتا جارہا ہے۔ نفرت وتعصب اور تشدد وانتہا پسندی کا یہ رجحان اگر یوں ہی پنپتا رہا، اس پر قابو پانے کی کوشش نہ کی گئی اور شرپسند عناصر پر کاری ضرب نہ لگائی گئی تو اس کا نقصان صرف مسلمانوں کو ہی نہیں جھیلنا پڑے گا؛ بلکہ مجموعی طور پر جمہوریت کی جڑیں کمزور ہوں گی، ملک کی ترقی وخوشحالی کی رفتار پر روک لگے گی اور عالمی سطح پر ہندوستان کی شبیہ داغ دار ہوکر رہ جائے گی۔

اس جاں بہ لب اور روح فرسا ماحول میں اگر ہم اپنا محاسبہ کریں، ناکامیوں کا تجزیہ کریں اور ان کے اسباب ومحرکات کا جائزہ لیں تو بنیادی طور پر درج ذیل عناصر کھل کر سامنے آتے ہیں:

مسلمانوں کی نری جذباتیت وناعاقبت اندیشی، تعلیمی ومعاشی پس روی وپسماندگی، خوداحتسابی ومنصوبہ بندی کا فقدان، مسلم قائدین کی منتشر یا غیرموثر حکمت عملی اور اپنے اپنے مفاد کی خاطر نام نہاد سیکولر پارٹیوں سے مفاہمت وساز باز وغیرہ۔۔۔۔۔۔

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

نفرت وتعصب کی مذکورہ منظرکشی خلاف واقعہ نہیں ہے ،ملک میں نفرت بڑھ رہی ہے ،تشدد راہ پاتا جارہا ہے؛مگراس کے باوجود ہمیں مایوس ہونے یا تھک ہار کر بیٹھ جانے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ان سب کے باوجود ملک میں ہمارے لیے روشن امکانات موجود ہیں ، ان کی صحیح پہچان اور برمحل استعمال ہی فلاح ونجات کا واحد راستہ ہے۔محض تشویش وتکلیف کا اظہار مخالفین کی بلند حوصلگی کا سبب تو ہوسکتا ہے ؛مگر صورت حال کا واقعی حل نہیں بن سکتا۔حکمت کا تقاضا ہے کہ اس ابتر ماحول کو بہتر بنانے کے راستے ڈھونڈے جائیں اور ان کی بھرپور نشان دہی کی جائے ؛ تا کہ ملک کے امن پسند وانصاف پرور افراد کے لیے روشنی کی کرن نمودار ہو اور راہ عمل فراہم ہو سکے ۔اسی غرض سے ان پر آشوب حالات میں اسلامیان ہند کے تابناک مستقبل کے لئے اپنی ناقص فہم اور بڑوں کے قیمتی تجربات کی روشنی میں چند ضروری معروضات اور کرنے کے اہم کام پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں ،اس امید کے ساتھ کہ ۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے

پہلا کام:

ان حالات میں سب سے پہلے ہمیں انابت اور رجوع الی اللہ کی ضرورت ہے ؛ کیوں کہ ہم مسلمانوں پر جو نامساعد حالات آتے ہیں ان میں ہماری بے راہ روی اور خدا کی نافرمانی کو بڑا دخل ہے، ارشاد ربانی ہے: اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور بہت سے تو اللہ درگزر ہی کردیتا ہے۔" (الشوریٰ)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے دو امانیں مجھ پر نازل فرمائیں ۔(سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا کہ) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا کہ تم ان کے درمیان موجود ہو اور ان پر عذاب نازل کردے اور اللہ انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جب کہ وہ استغفار کرتے ہوں گے، معافی اور مغفرت کے طلبگار ہوتے ہوں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر جب میں گزر جاؤں گا تو قیامت تک کے لیے تمھارے درمیان استغفار کو (بطور امان) چھوڑ جاؤں گا۔(ترمذی)

آج توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ کی یہ تحریک ہی ہمیں مسائل کے دلدل سے نکال سکتی ہے ؛اس لیے ہمیں اپنے احتساب اور اجتماعی کے ساتھ ساتھ انفرادی گناہوں سے بھی توبہ کی ضرورت ہے۔

دوسرا کام:

آج دنیا بھر میں عموماًاور ہندوستان میں خصوصاً مسلمان جن مصائب اور آفات کا شکار ہیں ان کا سب سے بڑا سبب آپس کا تفرقہ اور خانہ جنگی ہے ورنہ عددی کثرت اور مادی اسباب ووسائل کے اعتبار سے مسلمانوں کو سابقہ ادوار میں ایسی طاقت حاصل نہ تھی جیسی آج حاصل ہے۔ اگر آج امتِ مسلمہ پر نظر دوڑائی جائے تو یہ امت واحدہ کے بجائے ایک منتشر ہجوم نظر آتی ہے؛ جس میں دور دور تک کسی اتحاد کا امکان دکھائی نہیں دیتا۔ ایسے مخالف ماحول میں اپنے آپ کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا ہمارے شعور ایمانی کے خلاف ہے؛ بل کہ ہم سنجیدگی، معروضیت اور حساسیت کے ساتھ اپنی سیاسی غرض مندیوں سے اوپر اٹھ کر ملی فکرمندی کا ثبوت دیں، ہم ٹکڑیوں میں بٹنے کی بجائے کم از کم اپنے اوپر آنے والی اجتماعی آفت سے نمٹنے کے لیے متحد ہو جائیں۔

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ ارقام فرماتے ہیں کہ اتحاد امت کا مطلب تمام مذاہب ومسالک کا ادغام یا تمام مذاہب ومسالک سے مشترکہ چیزوں کو لے کر نیا مذہب بنانا نہیں ہے؛ بلکہ اتحاد امت کا مطلب اپنے مسلک ومذہب پر عامل رہتے ہوئے دوسرے مسلک ومذہب والوں کا احترام اور فروعی مسائل کو نزاعی بنانے سے اجتناب ہے؛ اسی طرح اختلاف رائے سے مراد وہ اختلاف وافتراق ہے جو امت اجابت کے درمیان ہے، امت دعوت یعنی غیر مسلموں سے اتحاد مراد نہیں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان ایک امت ہیں، ان کے اتحاد کی بنیاد کلمہ، قبلہ، کتاب اور رسول کا ایک ہونا ہے، ان کے علاوہ عقیدۂ آخرت، دخول جنت وجہنم، نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کی فرضیت، جہاد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی مشروعیت میں سبھی متحد ومتفق ہیں؛ اس لیے مسلمان ایک امت ہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو دو آسمانی مذاہب کے ماننے والے یہودی اور نصرانی تک کو بعض امور مشترکہ کی وجہ سے ایک امت کہہ کر ان کے خلجان اور خدشات کو دور کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو دین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا اور انبیاء سابقین جس دین کے حامل رہے، وہ ایک ہی دین، دین توحید ہے اور جس ملت کے داعی رہے وہ ملت اسلام ہے، لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور الگ الگ راہیں نکال لیں، نفسانی خواہشات اور اتباع ہویٰ کی وجہ سے لوگ فرقوں اور ٹکڑوں میں بٹ گیے اور ہر فرقہ اپنے کو اچھا اور دوسرے کو گھٹیا اور ذلیل سمجھنے لگا، رسولوں کی واضح ہدایات کو پس وپشت ڈال کر دین کو بازیچۂ اطفال بنا دیا اور اپنے عقائد وخیالات کو اصل دین کی جگہ دے کر ہر گروہ مسرور وشاداں اور اپنی غفلت، ضلالت اور جہالت کے نشے میں سرشار ہے۔

تیسرا کام:

اس وقت مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز ماحول اور فرقہ وارانہ ذہن بنا کر دشمنی وعداوت کی جو کھائیاں پیدا کی جارہی ہیں انھیں پاٹ کر برادران وطن تک محبت وانسانیت کا پیغام پہنچانے کی ضرورت ہے، بہ حیثیت "خیرامت" ہماری دینی ذمہ داری ہے کہ ہم برادران وطن سے اپنے فاصلے کم کریں، خواہ وہ آر ایس ایس اور شدت پسند ہندو تنظیموں کے کارکنان کیوں نہ ہوں، ہم ایک مستقل لائحہ عمل کے ساتھ ان سے ملیں، بہ راہ راست ایک ایک فرد تک پہنچنے کی کوشش کریں، یہ ہمارا کتنا بڑا اجتماعی جرم ہے کہ کائنات کی سب سے بڑی صداقت "اسلام" جس کے ہم امین ہیں، ملک کی اکثریت تک اسے پہنچانے کے حوالے سے اب تک ہم کوئی لائحہ عمل بھی تیار نہ کرسکے۔

ملک کے ایک معروف دانشور لکھتے ہیں کہ'' غیرمسلموں کے ساتھ حسن سلوک کا مطلب مداہنت نہیں ہے یعنی ہمیں دین وایمان کے کسی جز سے دستبردار ہونے کی ضرورت نہیں؛ لیکن ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ظلم وستم کی دلدوز تاریخ کے باوجود ملک کے خمیر میں شرافت اور روحانیت کا جز بھی موجود ہے خاکستر میں دبی ہوئی اس چنگاری کو شرارہ بنانے کی ضرورت ہے اس کے لئے ہمیں متصوفانہ نرمی فراخ دلی وسعت نظری اور توسع اختیار کرنے کی ضرورت ہوگی خدمت خلق اور خدمت انسانیت کو اپنا شعار بنانا ہوگا اور ضرورت پیش آجائے تو عارضی طور پر مستقبل کے بڑے فائدہ کے لئے اور حقوق کی بازیابی کے لئے اپنے کسی جائز حق سے بھی دست برداری اختیار کی جاسکتی ہے۔ یہ حلال کو حرام کرنا نہیں ہے بلکہ حکمت عملی ہے، اور اعتماد کی بحالی اور خلیج کو پاٹنے کی ایک کوشش ہے۔''

چوتھا کام:

ہر ذی شعور وصاحب ادراک اس بات سے ضرور اتفاق کرے گا کہ قوموں کی صلاح وفساد میں تعلیم و خواندگی کا بڑا دخل ہے، تعلیم ہی انسان کو انسان بناتی ہے اور زیورِ تہذیب وتمدن سے آراستہ کرتی ہے، جو قومیں تعلیم میں پیچھے رہ جاتی ہیں وہ اقوام عالم میں اپنا مقام نہیں بنا پاتیں۔ ایک زمانہ تھا کہ مسلم اور عرب علماء نے سائنس اور طب کے میدانوں میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جسے آج بھی مغربی دنیا اپنی ارتقائی کوششوں کے باوجود فراموش نہیں کرسکی اور نہ آئندہ کرسکتی ہے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ملک دشمن عناصر کا جواب دینے کے لئے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری اور دینی شعور کا پیدا ہونا بھی نہایت ضروری ہے؛ اس لئے کہ تعلیم ایک خاموش انقلاب کا ذریعہ اور زبردست

ارتقاء کا وسیلہ ہے، اس کے لیے زبانی جمع خرچ یا جلسہ اور کانفرنس کی ضرورت نہیں؛ بلکہ مقامی مسلم آبادی کو متحرک کیا جائے اور انہیں تعلیم و تربیت کی اہمیت بتائی جائے تو یقیناً اتنے وسائل مہیا کئے جاسکتے ہیں جن سے مقامی اسکول و کالج کو چلایا جاسکے، البتہ اس اسکول کا نصاب مغربی تعلیم کا چربہ نہ ہو، بلکہ یہ نصاب اسلامی نظریۂ علم اور اسلامی کلچر پر مبنی ہو، ان اسکولوں میں مسلم طلبہ کو نہ صرف صحیح خطوط پر تعلیم دی جائے بلکہ ان کی تربیت بھی کی جائے، یعنی تعمیر سیرت اور کردار سازی اس کا لازمی حصہ اور نتیجہ ہو، اس سے بڑی تعداد میں ایسے افراد تیار ہونا شروع ہوجائیں گے جو قوم وطن کے سچے ہمدرد اور بہی خواہ ہوں گے، ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے مثبت کردار ادا کریں گے، جو خود اپنی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہوں گے اور اپنے عمل و کردار سے دوسروں کے لئے راہ عمل متعین کریں گے اس طرح سے تعمیر ملک وملت کی فضا ہموار ہوگی۔

پانچواں کام:

ہمارے زوال کے اسباب میں سے ایک بڑا اور اہم سبب خود احتسابی وخود شناسی سے دوری اور منظم منصوبہ بندی کی کمی ہے۔خود احتسابی دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے؛ کیونکہ انسان اپنی فطرت کے مطابق خود کو خامیوں سے پاک سمجھتے ہوئے تمام غلطیوں کا ذمے دار دوسروں کو ٹھہراتا ہے۔خود کو جانچنا، اپنی غلطیوں، خامیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کرنا اور اپنے ہر عمل کا خود حساب رکھنا ''خود احتسابی'' کہلاتا ہے۔من حیث القوم اس عمل کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے، خاص کر حالات حاضرہ میں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ ہم اپنی خطاؤں کا تجزیہ کریں، کمیوں کو دور کرنے کی فکر کریں اور مستقبل بینی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے لئے مناسب لائحہ عمل تیار کریں!

اسی طرح کسی کام کو کرنے سے پہلے اس کا پروگرام بنانا، اہداف و مقاصد طے کرنے کے ساتھ طریقہ کار اور وسائل متعین کرنا، اس کے فوائد ونقصانات سے واقفیت ومعرفت، کام کو آسان، محکم اور کامیاب بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پلاننگ ومنصوبہ بندی کی ہر میدان میں بڑی اہمیت ہے، خواہ وہ سیاسی ہو یا اقتصادی، علمی ہو یا عملی، دینی ہو یا دنیاوی، انتظامی ہو یا دعوتی۔

مختصر یہ کہ حکومت وقت کے تئیں لاحاصل تبصروں، بے جا تذکروں اور بے محل مشوروں سے کئی گنا بہتر اپنی غلطیوں کا تدارک اور خامیوں کی اصلاح ہے۔جس دن ہماری قوم اور اس کے قائدین گفتار کے بجائے کردار کے غازی بن جائیں گے، ہر اقدام سے پہلے خود احتسابی اور منصوبہ بندی کو اپنا آئین بنالیں گے اور اجتماعی وملی مفادات کے لئے بے غرض ہوکر اپنی خدمات انجام دیں گے اس دن حقوق کی بازیابی کے لئے نہ

کسی مہم کی ضرورت ہوگی نہ کانفرنس کی۔

یا رب! دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے ، جو روح کو تڑپا دے
بے لوث محبت ہو ، بے باک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر، دل صورت مینا دے
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

(بقیہ صفحہ ۴۸ سے)

وہ اپنے عہد کے بے نظیر ادیب تھے اور ایک ادیب کی تمام تر لطافتیں، نفاستیں اور نزاکتیں ان کی ذات میں موجود تھیں، وہ صرف لفظوں کی فسوں کاری اور زبان و بیان کی حسن کاری پر ہی زور نہیں دیتے تھے؛ بلکہ ان کا زور اس پر بھی ہوتا تھا کہ انسان کو اخلاق ولباس اور بول چال کے معاملے میں بھی نفیس و نستعلیق ہونا چاہیے، خود ان کی تحریر وتقریر میں ہی نفاست ونزاہت نہ جھلکتی؛ بلکہ ان کا سراپا بھی ان کے انفراد وامتیاز کی گواہی دیتا، وہ جس مجلس میں ہوتے، اپنی وجیہ و باوقار شخصیت، علمی وادبی سر برآوردگی اور لباس و پوشاک کے رکھ رکھاؤ کی وجہ سے سب میں نمایاں نظر آتے۔ بہترین کرتا پاجامہ، عمدہ شیروانی، سلیقے سے اوڑھی گئی کشتی نما (دیوبندی) ٹوپی، خوب صورت فریم اور موٹے شیشے کی عینک اور چمکتے ہوئے جوتے ان کی خوش قامتی کو مزید دیدہ زیب بنا دیتے، چلنے کا انداز، دیکھنے کا ڈھنگ اور بات کرنے کا آہنگ؛ سب من کو موہ لینے والا ہوتا؛ چنانچہ وہ جدھر سے گزرتے، آس پاس کے لوگوں کی نگاہ بے ساختہ ان پر جا ٹھہرتی، پھر وہ اس وقت تک انھیں دیکھتے رہتے، جب تک مولانا نظروں سے اوجھل نہ ہوجاتے۔ اپنی اس غیر معمولی نفاستِ ذوق کا وہ برملا اظہار واعلان بھی کرتے اور شاگردوں کو ایسے ہی اطوار اختیار کرنے کی تلقین بھی کرتے، کہ اس طرح زندگی کلفتوں میں بھی لذت بخش ہوجاتی ہے اور ویسے بھی خوش لباسی وخوش فکری ہر باشعور انسان کا زیور ہے۔ اگر کسی بڑے سے بڑے انسان میں بھی انھیں بدویت، بھونڈا پن یا بدمذاقی نظر آتی تو سخت تکلیف کا اظہار کرتے۔ وہ ان کتابوں کو بھی ہاتھ لگانا گوارہ نہ کرتے، جن کی جلد بندی بے ڈھب، کاغذ ہیچ پوچ اور کتابت نگاہوں کو چبھتی ہو، کہا کرتے کہ مولانا! ایسی کتاب دیکھ کر قے ہونے لگتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ہر کتاب میں جتنی محنت مواد کو بہتر اور معیاری بنانے پر کرتے تھے، اسی قدر محنت اس کی معیاری طباعت پر بھی کرتے تھے۔

نقوش رفتگاں

کارواں باقی ہے میر کارواں رخصت ہوا

بہ یاد: حضرت مولانا قاری سید عثمان منصور پوریؒ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی*

آج جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر جیسے ہی گھر پہنچا، سوشل ذرائع سے حضرت قاری محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ صدر جمعیت علماء ہند و قائم مقام مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات کی خبر ملی، ہفتہ،عشرہ سے زیادہ حضرت قاری صاحب موت وزیست کی کیفیت سے دوچار تھے، پورے ملک میں ان کے لیے دعاؤں کا اہتمام ہو رہا تھا۔ آخر موت کے سامنے زندگی نے دم توڑ دیا جو ہر ذی روح کا انجام ہے، حضرت قاری صاحب کو جو حیات مستعار کے دن ملے تھے وہ مکمل کر کے آج ۲۱/مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ جو کے سید الایام ہے عین جمعہ سے قبل اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

یہ دور ایسے ہی قحط الرجال کا ہے، عبقری اور جامع شخصیات بہت کم رہ گئی ہیں، ماضی میں جس قدر ہر فن کے ماہرین اور رجال کار کی کثرت تھی، آج اتنی ہی کمی کا احساس سب کو ہے، فروغ شمع تو کسی نہ کسی حد تک باقی ہے لیکن محفل پروانوں سے بالکل خالی ہوتی جارہی ہے۔

فروغ شمع تو باقی رہے گا صبح محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری کا نہ میں شاگرد ہوں اور نہ مرید ومسترشد اور نہ ہی ان سے مجھے کسب فیض کا موقع ملا؛ لیکن ان کی شخصیت سے میں ہمیشہ متاثر رہا اور بارہا ان کے شاگردوں کی زبانی ان کے محاسن، خوبیوں، نیکیوں اور اچھائیوں کا تذکرہ سنا، میرے گاؤں میں ان کے شاگردوں کی بڑی تعداد ہے، ان کی زبانی ان کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوئیں، بطور خاص گرامی قدر مولانا ایاز اسعد قاسمی جوان کے

* مدرسہ نور الاسلام کنڈہ، پرتاب گڑھ

خاص شاگرد اور خادم رہے ہیں، ان کی زبانی ان کی شرافت، مروت، سخاوت پاک بازی اور سادگی کا چرچا سنا وہ سادات حسینی کے چشم و چراغ تھے، خاندانی آدمی تھے نسبت اونچی تھی، شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے داماد تھے، علم و عمل کے جامع اور اخلاص وصفا اور تواضع وانکسار کے پیکر تھے۔

آج سے پچیس چھبیس سال پہلے وہ ہمارے گاوں میں طلبہ کے ایک اجلاس میں تشریف لائے تھے، جو بزم جلالی کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا، مجھے انکی خدمت اور ان سے گفتگو کا موقع ملا اور کئی سوالات کئے مولانا نے بہت محبت سے جوابات دیئے اور بہت خوش ہوئے، ایک آدھ بار اور ان سے ملنے کا موقع ملا۔ ان کے یہاں ہٹو بچو کا کوئی معاملہ نہیں تھا ہر ایک سے محبت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ اس مجلس میں ان سے ہم لوگ بے تکلف گفتگو اور سوالات کررہے تھے اور مولانا اولاد کی طرح شفقت سے پیش آرہے تھے۔

یقیناً آپ کے انتقال سے ملت کا بہت بڑا خلا ہوا ہے، دیوبند اور جمعیت ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ ایک عظیم قائد، منتظم، مدبر استاد، مربی اور اتالیق سے محروم ہوگئی ہے، جس کا احساس سبھی اہل علم اور باشعور افراد کر رہے ہیں۔

قدرت نے قاری صاحبؒ کو حسن و جمال سے بھی نوازا تھا بہت ہی وجیہ وشکیل تھے ہردم رواں اور ہر دم جواں معلوم ہوتے تھے، قدرت کی طرف سے اچھی صحت بھی ملی تھی، قاری صاحب کو علم حدیث سے خاص شغف تھا، معاملہ فہمی اور امانت و دیانت کی دولت سے بھی مالا مال تھے، ان کی سب سے بڑی خوبی اور کمال جس میں وہ منفرد اور بے مثال لوگوں میں ہیں، میں ہی نہیں بلکہ ہزاروں علماء اور اہل علم ان پر رشک کرتے ہیں اور کریں گے وہ ان کی اپنی اولاد کی دینی علمی فکری اور روحانی تربیت ہے وہ یقینا اس اعتبار سے بہت کامیاب والد اور مربی ثابت ہوئے، ان کی دینی علمی اور روحانی تربیت ہی کی وجہ سے ان کے دونوں صاحبزادگان مولانا مفتی سلمان منصور پوری مدیر ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد اور مولانا محمد عفان منصور پوری صدر مدرس جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ علم وعمل اور اخلاق وکردار کے جامع ہیں اور دونوں برادران الولد سر لابیہ کے مصداق ہیں۔

ہندوستان کے ایک بڑے اور جہاں دیدہ عالم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ علماء اور اہل علم کو اپنی اولاد کی تربیت کے حوالے سے حضرت قاری عثمان صاحب منصور پوری کو اپنا نمونہ اور آیڈیل بنانا چاہیے یقینا وہ مثالی باپ اور مثالی والد و مربی ہیں۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے جو ان کی خدمات ہیں اور انہوں نے اس میدان کے لیے طلبہ کی جو کھیپ تیار کی اور جس طرح ان کی تربیت کی، رجال کار تیار کیے اور جو قیمتی محاضرات دیئے یہ خدمات روز روشن کی

طرح عیاں ہیں۔ مستقبل کا مورخ اور سوانح نگاران کی خدمات کو اس حوالے سے بھی ضرور لکھے گا۔ مولانا کی سرگزشت حیات کا مختصر خاکہ ذیل میں پیش کرتے ہیں تا کہ خلف، سلف کے حالات سے واقف ہوں اور ان کی قربانیوں اور خوبیوں کو اپنے لیے نمونہ اور مثال بنائیں۔

قاری صاحب دارالعلوم دیوبند کے استاد حدیث اور معاون مہتمم تھے، اپنے وطن منصور پور میں ۱۲؍اگست ۱۹۴۴ء میں کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی اور فارسی عربی کی پوری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، ۱۹۶۵ء میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے اور ۱۹۶۶ء میں دیگر فنون کی تکمیل کے ساتھ تجوید وقرات اور ادب عربی کی تربیت حاصل کی، اولاً جامعہ قاسمیہ گیا میں پانچ سال تک تدریسی خدمات انجام دی، پھر جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں گیارہ سال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، شوال ۱۴۰۲ھ/ مطابق ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔

درس وتدریس کے ساتھ مختلف انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ سے متعلق رہیں، ۱۹۸۶ء میں عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت کے موقع پر آپ کو کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا ناظم مقرر کیا گیا، ۱۹۹۹ء میں تدریس کے ساتھ نائب مہتمم مقرر ہوئے۔ ۲۰۰۸ء تک اس اہم عہدہ پر فائز رہے، مؤطا امام مالک، مشکوۃ المصابیح وغیرہ زیر درس رہیں۔

ردقادیانیت کے موضوعات پر تکمیلات کے طلبہ کو محاضرہ بھی پیش کرتے رہے، مجلس شوریٰ کے اجلاس صفر ۱۴۴۲ھ مطابق اکتوبر ۲۰۲۰ء میں آپ کو دارالعلوم کا معاون مہتمم مقرر کیا گیا۔ ۲۰۰۶ء میں جمعیت علماء ہند کے قومی صدر منتخب کیے گئے اس کے بعد امیر الہند کے باوقار منصب پر بھی فائز ہوئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس ان کا ٹھکانہ بنائے اور وارثین، متعلقین اور اہل تعلق کو صبر جمیل اور دارالعلوم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

ذکر رفتگاں

حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ حیات وخدمات

عبدالعلیم بن عبدالعظیم اعظمی

محدث جلیل، مؤرخ اسلام، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی (نوراللہ مرقدہ) 1361ھ مطابق 1941 میں پیدا ہوئے، آپ کا وطن جگدیش پور اعظم گڑھ ہے، جو اعظم گڑھ لکھنؤ شاہ راہ پر پھول پور سے ایک کیلومیٹر جانب مشرق میں واقع ہے، یہ وہی سرزمین ہے جو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اعظمی، مولانا افتخار احمد قاسمی اور قاری ابوالحسن اعظمی جیسے نابغہ روزگار شخصیات کا وطن اصلی ہے، آپ کے والد محترم کا نام حافظ انوارالحق تھا، آپ کا ننہیال ککری پور تھا۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں، گاؤں کی بزرگ ومحترم شخصیت حاجی محمد شبلی صاحب سے حاصل کی، ان کے یہاں قرآن مجید، اردو ریاضی اور فارسی وغیرہ کی مکتبی تعلیم حاصل کی، پھر گاؤں سے چار کیلومیٹر کی مسافت پر واقع ”برئی پور“ کے ایک مدرسے میں داخل ہوئے، یہاں آپ نے فارسی میں استعداد پختہ کی، اس وقت یہاں دو مشہور استاذ حافظ ایوب صاحب اور اعظم گڑھ کے مشہور شاعر، جناب عبیداللہ اختر مسلمی صاحب موجود تھے، آپ نے ان سے استفادہ کیا، اس کے بعد آٹھ ماہ مولانا حسن چھانوی صاحب سے تعلیم حاصل کی، پھر پھول پور مدرسہ ”روضۃ العلوم“ سے عربی تعلیم کا آغاز کیا، یہاں آپ نے عربی کی ابتدائی کتابیں اور کچھ فارسی کی کتابیں پڑھی، اسی مدرسہ میں آپ نے حضرت تھانوی کے خلیفہ مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوری علیہ الرحمہ سے گلستاں پڑھی تھی، اس کے بعد قصبہ سرائے میر کے نامور مدرسہ ”بیت العلوم سرائے میر“ میں داخل ہوئے، یہاں عربی کی تعلیم متوسطات تک حاصل کی، اس کے بعد بغرض اعلیٰ تعلیم مئو کا قصد کیا، اور مشرقی یوپی کی مشہور ومعروف درسگاہ "دارالعلوم مئو" میں داخلہ لیا، اور یہاں متوسطات سے عربی ہفتم کی تعلیم حاصل کی، اور مزید تعلیم کے لئے مشہور معروف دینی درسگاہ "دارالعلوم دیوبند" کا قصد کیا، یہاں آپ ایک سال رہے، آپ نے دارالعلوم دیوبند میں درج ذیل اساتذہ سے استفادہ کیا۔

صحیح بخاری مکمل مولانا فخرالدین مرادبادی سے، سنن ترمذی جلد اول مولانا ابراہیم بلیاوی سے، صحیح مسلم وسنن ماجہ بااستثنا چند اسباق اول وآخر مولانا بشیر احمد خاں بلند شہری سے، سنن ابن ماجہ کے اول وآخر کے چند اسباق قاری محمد طیب صاحب سے، طحاوی شریف مولانا اسلام الحق اعظمی سے، سنن نسائی مولانا شریف حسن دیوبندی سے، مؤطا امام مالک ومؤطا امام محمد حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندی سے، سنن ابوداؤد مکمل وسنن ترمذی جلد ثانی وشمائل ترمذی مولانا فخرالحسن مرادآبادی سے پڑھی اور 1964 میں سند فراغت حاصل کی۔

تعلیم وتحصیل سے رسمی فراغت کے بعد درس وتدریس سے نئے علمی دور کا آغاز کیا، اولاً کچھ ماہ تک مدرسہ ”روضۃ العلوم پھول پور“ میں شعبہ تبلیغ سے منسلک رہے، اس کے بعد اشرف المدارس گھوسی کے ذریعہ آپ نے درس وتدریس کے میدان میں قدم رکھا، آپ یہاں صدر المدرسین تھے، پھر یہاں سے بنارس جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب تشریف لے گئے، بنارس کے بعد آٹھ ماہ کے لیے ”مدرسہ قرآنیہ جونپور“ تشریف لائے، اس کے بعد مشہور وکیل جناب مسعود صاحب کی طلب پر منگرواں تشریف لائے، آپ کو مدرسہ کے انتظامی معاملات کی ذمہ داریاں سپرد کی گئیں، جس کو آپ نے بحسن خوبی انجام دیا، ایک ہی سال میں تعلیم کے اعتبار سے مدرسہ کا قد بلند ہوگیا، اس کے بعد پھر آپ جامعہ اسلامیہ بنارس تشریف لائے، اور 1980ء تک مسند درس کی زینت بنے رہے، 1982ء میں دارالعلوم دیوبند میں ”وسطیٰ“ کے مدرس مقرر ہوئے، 1414ھ میں وسطیٰ سے علیا میں ترقی دی گئی، 1420ھ میں ردعیسائیت کمیٹی کے نگراں پھر ناظم مقرر کیے گئے۔

دارالعلوم دیوبند میں مسلم شریف کی دونوں جلدیں، ابوداؤد، مشکاۃ المصابیح، نخبۃ الفکر اور مقدمہ ابنِ صلاح جیسی اہم کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، استاذ محترم مفتی سعید صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد بخاری شریف کے کچھ اجزاء بھی آپ کے سپرد کیے گئے تھے، لیکن لاک ڈاون اور مدرسہ نہ کھلنے کی وجہ سے، بخاری کے درس کا موقع ہی نہیں ملا۔

راقم نے حضرت الاستاذ سے ”مسلم شریف“ کی دونوں جلدیں اور ”مقدمہ ابن صلاح“ پڑھی ہے، آپ کا درس علمی اور تحقیقی مباحث سے پرمغز ہوتا تھا، ادھر ادھر کے واقعات، ایران توران کے من گھڑت قصوں سے پاک ہوتا تھا، عبارت کے ایک ایک جزء پر علمی بحث کرتے تھے، احادیث کے درس میں راویوں کی ہندی کی چندی کردیتے تھے، حدیث کے درایتی پہلو پر خاص نگاہ ہوتی تھی، حضرت الاستاذ نے ایک ہی کتاب کا کئی کئی سال درس دیا ہے، لیکن آپ درس کے لیے ان کتابوں کی تیاری محنت، لگن، تن من دھن سے کرتے تھے، اس کتاب سے متعلق آٹھ دس کتابیں دیکھتے تھے، سبق کے ہر گوشے پر کلام کرتے تھے۔

مولانا مرحوم ایک باکمال مدرس کے ساتھ ساتھ، ایک کامیاب قلمکار اور مصنف بھی تھے، آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں اور رسائل کی مجموعی تعداد تیس سے زائد ہیں، آپ کی کتابیں، تحقیق وتدقیق اور اردو ادب وانشاء پردازی سے لبریز ہوتی ہیں، آپ نے "شجرہ طیبہ" اور "تذکرہ علماء اعظم گڑھ" کے ذریعہ اس میدان میں قدم رکھا، دیکھتے ہی دیکھتے، آپ کا شمار ہندوستان کے مشہور ومعروف قلمکاروں میں ہونے لگا، استاذ محترم کی کتابوں کے نام درج ذیل ہیں.

(1) تذکرہ علماء علماء اعظم گڑھ (2) شجرہ طیبہ (3) اجودھیا کے اسلامی آثار (4) بابری مسجد حقائق اور افسانے (5) ایک فتوی کا تحقیقی جائزہ (6) اسلام کا نظام عبادت (7) اسلام میں تصور امارت (8) اسلام اور نفقہ مطلقہ (9) ہندوستان میں امارت شرعیہ کا نظام اور جمعیت علماء ہند کی جدو جہد (10) مقالات حبیب تین جلدیں (11) متحدہ قومیت علماء اسلام کی نظر میں (12) خمینیت عصر حاضر کا عظیم فتنہ (13) فرقہ اثنا عشریہ فقہاء اسلام کی نظر میں (14) خلیفہ مہدی صحیح احادیث کی روشنی میں، (15) طلاق ثلاثہ صحیح ماخذ کی روشنی میں (16) تفسیر سورہ بقرہ (17) خواتین اسلام کی بہترین مسجد (18) امام کے پیچھے مقتدی کی قرات کا حکم (19) تحقیق مسئلہ رفع یدین (20) مسائل نماز (21) امام ابوحنیفہ کا علم حدیث مین مقام ومرتبہ (22) وفا تیات نمبر، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند (23) شرح مقدمہ شیخ عبدالحق دھلوی (24) شرح نخبۃ الفکر (25) امام ابوداؤد اور ان کی سنن (26) شیعیت قرآن وحدیث کی روشنی میں (27) شیوخ ابی داؤد فی السنن، عربی (28) حرمت مصاہرت (29) کیا حدیث حجت نہیں؟ (30) حدیث وسنت پر نقد ونظر (31) سرسید احمد خان کا نظریہ حجیت حدیث، بحث وتحقیق کے آئینے میں (32) بابری مسجد تاریخ کے مختلف مراحل میں (33) میت پر اظہار غم کے مسائل و دلائل (34) تفسیر مظہری، غیر مطبوعہ۔

ان تالیفات وتصنیفات کے علاوہ سیکڑوں علمی وتحقیقی مضامین ومقالات بھی تحریر کیے جو ملک کے موقر و اہم رسائل معارف اعظم گڑھ، برہان دہلی، البلاغ ممبئ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں شائع ہوئے۔

1980ء میں آپ کو تنظیم "عالمی موتمر" کا ناظم بنایا گیا، اور اس سے نکلنے والے ماہنامہ "القاسم" کی ادارات بھی سپرد کی گئی، 1984ء میں آپ کو ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" کا مدیر منتخب کیا گیا، آپ مسلسل پینتیس سال تک ماہنامہ کے مدیر رہے ہیں، اس دوران آپ کے اشہب قلم سے نکلنے والے شذرات اور نگارشات کی وجہ سے ماہنامہ کا شمار ملک کے موقر واہم رسائل میں ہونے لگا۔

استاذ محترم علم ومطالعہ کے سچے عاشق تھے، ہمہ وقت کتابیں ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی، آپ کا حجرہ آرام

گاہ کم کتب خانہ زیادہ معلوم ہوتا تھا، اخیر وقت تک آٹھ آٹھ نو نو گھنٹے مطالعہ کیا کرتے تھے، کوئی کتاب مل جاتی تو ختم کئے بغیر، سکون نہیں ملتا تھا، اگر کسی شخص نے کوئی عمدہ کتاب مولانا کو دے دی تو تب تک بار بار زبان پر اس کتاب کا تذکرہ رہتا ہے، جب تک کہ وہ کتاب ختم ہی نہ ہو جائے، عمدہ کتابیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے، ان کے علمی ذوق، کتابوں اور مطالعہ کا شاھدان کا عظیم کتب خانہ بھی ہے، مولانا اسجد مدنی صاحب بیان کرتے ہیں کہ مولانا کا پوتا محمد عفان اعظمی دیوبند میں قرآن کریم حفظ کر رہا تھا مولانا کے مطالعہ اور ہمہ وقت کتب بینی اور ورق گردانی دیکھ کر تعجب خیز لہجے میں کہا دادجان ! لگتا ہے کہ آپ کا حافظہ ٹھیک نہیں ہے، چوبیس چوبیس گھنٹے کتاب یاد کرتے ہیں اور یاد نہیں ہوتی۔ مجھے دیکھیے، ایک ہی مرتبہ میں یاد کر لیتا ہوں۔

اسی ذوق مطالعہ کا ثمرہ تھا کہ استاذ محترم کا سینہ معلومات کا گنجینہ بن گیا تھا، جو بعد میں ان کی نوک قلم سے رواں ہو کر صفحہ قرطاس پر ثبت ہو گیا، جسے دیکھ کر ایک خلقت انھیں "مؤرخ اسلام" کہنے پر مجبور ہو گئی۔

مولانا مرحوم اردو ادب کے مایہ ناز، انشاء پرداز ادیب تھے، تاریخ سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، خصوصا دیار پورب کی تاریخ پر آپ کی خاص نگاہ تھی، جس کا بین ثبوت "تذکرہ علماء اعظم گڑھ" جیسی شاہکار تصنیف ہے، مولانا نجم الدین اصلاحی صاحب رقم طراز ہیں کہ:

مولانا جگدیش پوری بھی اعظم گڑھ کے نوجوان علماء میں اپنی علمی صلاحیتوں اور بلند پایہ مضامین کے لحاظ سے اپنا ممتاز مقام رکھتے ہیں، چنانچہ مشاہیر ہند پر آپ کے کئی نمبر معارف جیسے معیاری رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ "تذکرہ علماء اعظم گڑھ" نامی کتاب آپ کی جدوجہد اور کاوش کا ایک کامیاب کارنامہ ہے، اس کتاب سے پہلے علماء اعظم گڑھ کے تذکرے متفرق طور پر جستہ جستہ ملتے ہیں، لیکن کتابی شکل میں میرے علم میں یہ پہلی کتاب ہے جو اپنے مستند ماخذ اور تحقیقی حوالجات کے ساتھ آپ کے سامنے موجود ہے، سیرت اور سوانح نگاری مسلمانوں کا وہ امتیازی وصف رہا ہے کہ آج تمام دنیا اس مصوری پر حیران ہے، جن میں ہزاروں واقعات عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کے موجود ہیں، اس کتاب کے دیکھنے سے صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ مولف کو کتنی زحمت برداشت کرنی پڑی اور سفر کر کے کتنے دفاتر دیکھنے پڑے، نیز مخطوطات اور ثقہ لوگوں سے معلوم کرنے اور سننے کے بعد تحقیق و تلاش کو جاری رکھ کر یہ کتاب مرتب کرنا آپ کا اہم کارنامہ ہے۔ مؤلف کی متانت تحریر، سنجیدگی، بیان کی خوبی سے خوش ہو جاتا ہے، جو ہر آئینہ مستحق مبارک باد ہے، بہر حال کتاب اپنے ماخذ کے اور معلومات کے اعتبار سے کامل ہے، اور مصنف کی محنت و جانکاہی صفحہ صفحہ سے ظاہر ہے" (تقریظ تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص:21)

اس کے علاوہ "مقالات حبیب" میں دیار پورب کی متفرق شخصیات کا خاکہ ہے نیز "اجودھیا کے اسلامی

آثار“ اور”بابری مسجد حقائق اورافسانے“ سے بھی دیار پورب کی تاریخ پر آپ کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا مرحوم علم حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اس کے ایک ایک گوشے پر تحقیقی ذوق رکھتے تھے، خصوصا اس علم کا ایک فن" اسماء الرجال" سے آپ کو خاص لگاو تھا، راویوں پر کلام، اوران کی پوری زندگی کی منظرکشی کچھ یوں کیا کرتے تھے کہ سننے والا بے ساختہ کہ دیتا تھا کہ یہ ہمارے وقت کے" حافظ ابن حجر عسقلانی“ ہیں، برصغیر میں فتنہ انکارِ حجیت حدیث بہت تیزی سے پھیل رہا ہے، مولانا مرحوم نے اس کے رد میں بیش بہا، علمی وتحقیقی کتابیں اور مضامین لکھی ہیں، جس میں حجیت حدیث کودو چار کی طرح واضح کردیا ہے۔

اکابر علماء دیو بند اور دارالعلوم دیو بند کی تاریخ پر بھی آپ کو کافی گہرائی و گیرائی حاصل تھی، ماہنامہ دارالعلوم دیو بند کے اکثر اداریات، اور صفحات اسی خاص موضوع سے سیاہ ہوئے ہیں، جو بعد میں" مقالات حبیب“ کے نام سے بھی شائع ہوا ہے۔

تذکرہ نویسی، شخصیات کے خاکہ پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا، آپ کے خاکے علم وتحقیق، زبان و بیان کی برجستگی، انشاء پردازی اور سلاست روانی سے لبریز معلومات کا سدابہار تحفے ہوتے تھے، مولانا اعجاز علیہ الرحمہ تذکرہ نویسی، سوانح نگاری اور تراجم پر کلام کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ:

" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہمارے مخدوم فاضل گرامی مولانا حبیب الرحمن قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم دیو بند کی مرتب کردہ کتاب” تذکرہ علماء اعظم گڑھ" ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1976ء میں شائع ہوا تھا، جس میں مولانا موصوف نے بڑی تحقیق وتدقیق کے ساتھ، نہایت جانفشانی وتلاش وجستجو سے ضلع اعظم گڑھ کے تقریباً دوسو علماء کے حالات لکھے تھے۔ اس وقت سے اب تک کے وقفہ میں اور بھی بہت سے علماء دنیا کا سفر مکمل کر کے منزل آخرت میں کمر کھول چکے ہیں، مولانا نے اس نئے ایڈیشن میں مزید محنت کر کے تقریباً پچاس علماء کے حالات کا اضافہ کیا۔ (تذکرہ علماء اعظم گڑھ)

علم تفسیر پر بھی آپ کا گہرائی و گیرائی کے ساتھ مطالعہ تھا، آپ نے سورہ بقرہ کی تفسیر لکھی تھی اور تفسیر مظہری پر تحقیقی کام کیا تھا جو کہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

مولانا مرحوم جمعیت علماء ھند کی مجلس عاملہ کے رکن تھے، جمعیت کی میٹنگوں میں حق گوئی و بے باکی کے ساتھ اپنی رائے رکھتے تھے اگرچہ وہ دوسرے اراکین کی رائے کے خلاف ہوتی تھی، جمعیت علماء ہند ملکی وملی اہم معاملات میں آپ کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتی تھی،۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

ذکرِ رفتگاں

دکھ تو ایسا ہے کہ دل آنکھ سے کٹ کٹ کے بہے!

استاذِ محترم مولانا نور عالم خلیل امینیؒ کی یاد میں

مفتی نایاب حسن قاسمی سیتامڑھی

آہ! یہ انسانیت خور وبا ہمیں کیا کیا دن دکھائے گی اور کیسے کیسے لعل و گہر ہم سے چھینتی رہے گی۔ یوں تو ان دنوں کسی لڑی سے چھٹکے ہوئے موتیوں کی طرح ہر آن انسانی سانسیں ٹوٹتی بکھرتی اور اس عالمِ ہست و بود سے دور چھٹکتی جارہی ہیں، مگر استاذ محترم مولانا نور عالم خلیل امینی کی رحلت کا سانحہ نہایت ہی جگر خراش اور دل کو چھلنی کرنے والا ہے۔ کیسی زندہ دل شخصیت تھی اور کیسی رفعتوں کا حامل انسان۔ شایستگی ان کا خاصہ تھی اور شگفتگی ان کی فطرتِ ثانیہ۔ جیسی آبدار تحریریں لکھتے، ویسی ہی شاندار گفتگو کرتے، وہ حقیقی معنوں میں یکہ تاز ادیب تھے اور دل و دماغ میں سحر پھونکنے والے گفتگو طراز۔ مولانا سے جب بھی بات ہوتی ذہن شاداب ہوجاتا اور علم ونظر کے قیمتی موتی ہاتھ آتے۔ ابھی مولانا کئی اہم علمی و ادبی منصوبوں پر کام کررہے تھے، ان کا ایسے چلا جانا ان کے اہلِ خانہ و پسماندگان کے لیے ہی نہیں، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کے شاگردوں، ان کے مستفیدین و متعلقین اور پورے جہانِ علم و ادب کے لیے ایک جاں کاہ حادثہ ہے۔ دوسرے ہزاروں لوگوں کی طرح وہ میرے بھی استاذ تھے، ان سے کتابی علم حاصل کرنے کے علاوہ ان کی بافیض اور پرمغز باتوں سے بھی بہت کچھ سیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ابھی دکھ تو ایسا ہے کہ دل آنکھ سے کٹ کٹ کے بہے۔ اور ذہن شدید اضطراب و انتشار سے دوچار ہے، مگر یادوں کو سمیٹنا بھی ضروری ہے، مولانا سے وابستہ وہ یادیں، جو بڑی پرلطف ہیں اور اب ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا، سو کچھ غیر مرتب سطریں لکھنے کی کوشش کررہا ہوں۔ مولانا کا نام بچپن سے ہی سنا ہوا اور جانا پہچانا تھا، باضابطہ تعارف اور افادہ و استفادہ کا سلسلہ ۲۰۱۰ میں شروع ہوا جب ہم تکمیلِ ادبِ عربی کی جماعت میں داخل ہوئے۔ درس گاہ میں کسبِ فیض کے ساتھ کبھی کبھی مولانا کے دولت کدے پر بھی جایا کرتے اور ان کی علمی و ادبی گفتگو سے مستفید ہوتے۔ میں خاص طور پر ان کی باتیں بڑی دلچسپی سے سنتا تھا، مختلف حالات و واقعات اور شخصیات پر ان کی رائیں اور تبصرے بڑے چست اور پرلطف ہوتے، معلومات میں

اضافہ ہوتا سوا لگ۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کئی بڑی اور اہم شخصیات کو دیکھا اور برتا تھا، سوان کے تعلق سے ان کے خیالات میں قطعیت وایقان ہوتا اوران کی باتوں سے متعلقہ شخصیات کی زندگی وکردار کی کئی پرتیں کھل کر سامنے آجاتیں۔ درس گاہ میں بعض طلبہ کے منفرد قسم کے ناموں پر چٹکی لیتے اور وقتاً فوقتاً چھیڑ چھاڑ رہتی، خود سبق کے پہلے دن دیگر کئی رفقا کے ساتھ میں بھی ان کے رڈار پر آگیا تھا، حاضری لیتے ہوئے مولانا نے میرا نام پکارا اور کہا''نایاب حُسن''، سن کر ساری درس گاہ قہقہہ بار ہوگئی اور میں عجیب وغریب سہمی ہوئی شکل بنائے کھڑا رہا، پھر کہنے لگے تمھارا یہ نام کس نے رکھا ہے؟ حُسن بھی کہیں نایاب ہوتا ہے؟ انھیں پتا تھا کہ نام کا حصہ ''حُسن'' نہیں، ''حَسَن'' ہے، مگر ان کا طلبہ کو خود سے مانوس و بے تکلف بنانے کا اپنا سٹائل تھا۔ کوئی طالب علم موٹا ہوتا، تو کہتے کہ یہ یہاں سے نکل کر مہتمم بنے گا اور ہم سب ان کی اس قسم کی برجستہ گوئیوں سے لطف اندوز ہوتے۔ جب سبق پڑھانا شروع کرتے تو ان کا انہماک دیدنی ہوتا، کتاب میں ڈوب جاتے، مزے لے لے کر پڑھاتے اور جھوم جھوم کر درس دیتے، مختصر اور طویل جملوں کے ترجمہ وتفہیم کے دوران ان کے دسیوں مواقعِ استعمال کی نشان دہی کرتے، عربی تراکیب وتعبیرات کے نئی پرانی شکلوں سے آگاہی بخشتے، عربی الفاظ، افعال ومشتقات کی اصل ہی نہیں، ان کی روح تک سے آشنا تھے اور دورانِ درس اپنی تمام تر ادبی، لسانی وتدریسی مہارت ومعلومات طلبہ تک منتقل کرنے کی کوشش کرتے۔ ان کے سبق سے اٹھنے کے بعد ہر دن یوں محسوس ہوتا کہ بہت کچھ نیا سیکھنے اور جاننے کو ملا۔ آج ان سے اکتسابِ فیض کرنے والے سیکڑوں زبان وادب کے شناور ہیں، جو نامورانِ عصر میں شمار ہوتے اور اس یگانۂ عصر استاذ کی تعلیم وتربیت کے خوب صورت نتائج کے طور پر اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ سال بھر ضابطے کی شاگردی کے بعد بھی طویل ومختصر زمانی وقفوں کے ساتھ مولانا کے خوانِ علم وادب سے خوشہ چینی کا سلسلہ جاری رہا۔

مولانا پابندی اوقات اور ٹائم مینجمنٹ کے معاملے میں حد درجہ محتاط تھے، اس سلسلے میں وہ کوئی سمجھوتا نہیں کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنی نصف صدی کی عملی زندگی کے دوران زبان وادب اور علم وفکر کے شعبے میں جو قابلِ قدر خدمات انجام دیں، اس کی اہم وجہ یہی تھی کہ وہ وقت کے بے پناہ قدر شناس تھے، اسی وجہ سے وہ بہت ہی کم آمیز واقع ہوئے تھے، بلا وجہ رابطے بڑھانے اور تعلقات گانٹھنے سے انھیں سخت چڑ تھی، علما عام طور پر جلسوں اور مجمعوں کے شائق ہوتے ہیں، مگر مولانا دوسری ہی ڈھب کے انسان تھے، انھیں بھیڑ بھاڑ میں وحشت ہوتی تھی اور گوشہ نشینی میں عافیت محسوس کرتے تھے۔ پورے سال وہ شاید ہی ایک آدھ پروگرام میں کہیں جاتے، وہ بھی اگر ان کے ذوق ومزاج کا ہوتا تب، ورنہ بڑی سے بڑی شخصیت یا ادارے کی طرف سے

آنے والی دعوت پر بھی خوش اسلوبی سے معذرت کر لیتے۔ انھیں موجودہ دور کے علما سے کئی شکایتیں تھیں، جن میں سے ایک ضیاعِ وقت سے متعلق بھی تھی اور بالکل درست تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ انسان کی زیادہ تر ناکامیوں کی وجہ تضییعِ اوقات اور زندگی کی ناقدری ہے، اس لیے وہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ ناپ تول کر خرچ کرتے اور اسے زیادہ سے زیادہ تصنیف وتالیف، مطالعہ وتفکر اور درس وتدریس میں صرف کرتے، کسی پر بے وجہ تھوڑا سا وقت خرچ کرنا بھی ان کی طبیعت کو نہایت گراں گزرتا تھا۔

ذہنی یکسوئی کے لیے وہ ہر قسم کی فارغ البالی کو اہم قرار دیتے تھے؛ اس لیے ہمیشہ وہ دینی ودنیاوی سکون و سعادت کی دعائیں دیتے اور توکل علی اللہ کے ساتھ ان کی طلب وجستجو کے لیے بھی مہمیز کرتے رہتے۔ شوگر کا عارضہ مولانا کو عرصۂ دراز سے لاحق تھا اور کبھی کبھی اس کی شدت بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی، اس کا اثر پاؤں پر زیادہ تھا؛ اس لیے چلنے میں بھی قدرے پریشانی ہوتی، ادھر چند سالوں سے عصا لے کر چلنے لگے تھے، دوسری قسم کی علالتوں سے بھی دوچار رہتے، مگر اس کے باوجود ان کے معمولاتِ تدریس وتحریر اور دیگر ذمے داریوں کی بروقت اور کماحقہ ادائیگی میں کوئی کمی نہ آنے پاتی۔ دارالعلوم دیوبند سے وابستگی کے فوراً بعد درس وتدریس کے علاوہ انھیں وہاں سے شائع ہونے والے عربی رسالہ ''الداعی'' کا مدیر بھی بنایا گیا، جو پہلے پندرہ روزہ تھا، پھر ماہنامہ ہوگیا۔ ابتداءً مولانا اکیلے اس رسالے کی ادارت سے لے کر طباعت وترسیل تک کا کام کرتے اور اس مقصد سے ہر مہینے پندرہ دن کے وقفے سے دیوبند سے دہلی کا سفر کرتے، بعد میں کچھ آسانیاں میسر آئیں، ''الداعی'' کے لیے باضابطہ دفتر اور عملہ مختص کیا گیا اور ان کے ذمے صرف ادارتی امور رہ گئے، مگر دونوں زمانوں میں انھوں نے رسالے کی اشاعت میں کبھی تاخیر کو گوارہ نہیں کیا، مدارس کے حلقے سے شائع ہونے والا غالباً یہ واحد ایسا عربی رسالہ تھا، جو ہر ماہ بروقت شائع ہوتا تھا، کبھی کبھی دو ماہ کے شمارے ایک ساتھ تو شائع ہوئے، مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس ماہ کا اگلے ماہ میں اور اگلے کا اس سے اگلے ماہ میں شائع ہوا ہو، جیسا کہ عام طور پر رسائل و جرائد کے ساتھ ایسا ہوتا ہے، اس پابندی کے ساتھ رسالے کے عالمی معیار کو مینٹین کرنے کا بھی حد درجہ اہتمام کرتے۔ یہی حال مولانا کی کلاس کا بھی تھا، بالکل وقت پر پہنچتے اور وقت پر ہی اپنا سبق ختم کرتے، ایسے طلبہ کو کلاس میں آنے نہ دیتے جو ان کی آمد کے بعد آتا، حالاں کہ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ ان کی کلاس میں طلبہ ان کی آمد کے بعد پہنچیں، زیادہ تر تو ایسا ہوتا کہ ان کی گل افشانیِ گفتار سے مستفیض ہونے کے لیے متعلقہ کلاس کے علاوہ دوسری کلاسوں کے ادب شناس طلبہ بھی ان کے پیریڈ میں آجاتے۔ مولانا ایسے اساتذہ سے بھی سخت کبیدہ خاطر ہوتے جو اپنی درازنفس تقریر کے چکر میں ان کے گھنٹے کا کچھ حصہ مار جاتے۔۔۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۷۳ پر)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی ندیم الدین قاسمی*

کم قیمت پر دوسری جگہ قربانی کرانا

سوال: اگر کوئی کم قیمت کی بنا پر دوسرے شہر میں قربانی کرائے تو کیا اس کی قربانی ہوجائے گی؟

جواب: سستی قیمت کی بنا پر دوسری جگہ قربانی کرانے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن یہ یاد رہے کہ مالی عبادت میں جتنا زیادہ خرچ کیا جاتا ہے ثواب اتنا ہی زیادہ ملتا ہے۔ (کتاب المسائل ۲/۲۹۹)

ذبح کے وقت ہر شریک کا نام لینا

سوال: کیا ذبح کے وقت تمام شرکاء کے نام لینا ضروری ہے؟

جواب: ضروری نہیں؛ بلکہ مطلق ذبح سے سب کی قربانی درست ہوجائے گی۔ (ھندیہ ۵/۲۹۴)

پیدائشی سینگ نہ ہونا

سوال: جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، تو کیا ایسے جانور کی قربانی درست ہے؟

جواب: درست ہے، اسی طرح جس جانور کی بچپن میں ہی سینگ کی جگہ آگ سے جلادی گئی ہو، جس کی وجہ سے سینگ نہ نکل سکے ہوں، ایسے جانور کی قربانی بھی درست ہے۔ (کتاب المسائل ۲/۳۱۶)

ذبح کے وقت قربانی کی نیت کرنا

سوال: کیا ذبح کے وقت قربانی کی نیت لازم ہے؟

جواب: ذبح کے وقت قربانی کی نیت کرنا لازم نہیں، خریداری کے وقت قربانی کی نیت کافی ہے۔

(کتاب المسائل ۲/۳۲۵)

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا

سوال: کیا غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دیا جاسکتا ہے؟

جواب: ہاں! دیا جاسکتا ہے۔ (ھندیہ ۵/۳۰۰)

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

تکبیر تشریق پڑھنے سے پہلے بات چیت کرلی

سوال: اگر کوئی شخص تکبیر تشریق پڑھنے سے پہلے بات چیت کرلے تو کیا اس کے ذمہ سے تکبیر تشریق کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے؟

جواب: تکبیر تشریق نماز کے فوراً بعد پڑھنا واجب ہے، لہذا اگر کوئی نماز کے بعد بات کرلے تو تکبیر تشریق کا وجوب اس سے ساقط ہو جائے گا۔ (کتاب المسائل ۲/ ۳۳۵)

گھر کے ذمہ دار پر ہی قربانی واجب ہے؟

سوال: کیا قربانی صرف گھر کے ذمہ دار پر ہی واجب ہے؟

جواب: قربانی صرف گھر کے ذمہ دار پر نہیں؛ بلکہ گھر میں رہنے والے ہر صاحبِ نصاب پر الگ الگ لازم ہے۔ (ہدایہ ۴/ ۴۴۲)

قربانی کے جانوروں کی عمریں

سوال: قربانی میں چوں کہ بکرا، دُنبہ، گائے، بھینس اور اونٹ سب کی قربانی جائز ہے تو قربانی صحیح ہونے کے لئے ان جانوروں کی کم سے کم عمر کتنی ہونی چاہیئے؟

جواب: (۱) بکرا ربکری ایک سال مکمل ہو چکا ہو۔

(۲) بھیڑ: اگر صحت مند ہو اور دکھنے میں بڑا لگتا ہو تو چھ مہینے کا بھی کافی ہے۔

(۳) گائے ربھینس: دو سال مکمل ہو چکے ہوں۔

(۴) اونٹ: پانچ سال مکمل ہو چکا ہو۔ (کتاب المسائل: ۲/ ۲۳۲)

کئی برسوں سے واجب قربانی کا حکم:

سوال: اگر کوئی صاحبِ استطاعت شخص نے کئی برس سے واجب قربانی ادا نہیں کی تو کیا ہر سال کی قربانی کے بدلے ایک جانور ذبح کرنا پڑے گا۔

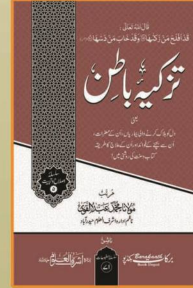
جواب: اگر صاحبِ استطاعت شخص نے وسعت کے باوجود قربانی ترک کردی اور کئی سال تک قربانی نہیں کی تو ہر سال کی قربانی کے بدلے ایک بکرا یا بکری کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے۔

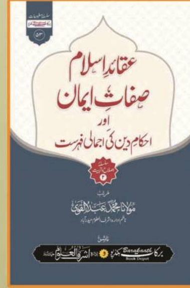
(کتاب المسائل: ۲/ ۲۳۰)

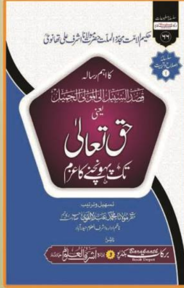
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/20-22
Date of Publication 3rd Jul-21, date of Posting 5th Jul-21

اصلاح وتربیت کے لئے مرتب کردہ چند کتب

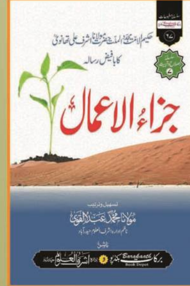
ترتیب وانتخاب: حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ العالی

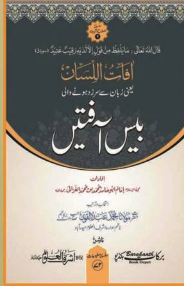


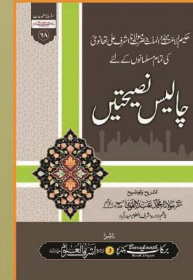












Printed.Published and Owned by Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Behind Masjid e Meraj, Sayeedabad, Hyd.